بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا○ (بنی اسرائیل 88:17)

اجماع امت

کی شرعی حیثیت

رحمت اللہ طارق

سر سیدؒ میموریل لائبریری، باغبانپورہ، لاہور

ان پر واضح کردو کہ اگر جن وانس اکٹھے ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا قرآن بنا کر لے آئیں تو اس کی مثل نہ لا سکیں گے، جو ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔ (بنی اسرائیل 88:17)

جملہ حقوق محفوظ

اجماع امت

کی شرعی حیثیت

رحمت اللہ طارق

Jan.2010

E-Book Edition(50 pages)

ادارہ ادبیات اسلامیہ ملتان

سر سید میموریل لائبریری، باغبانپورہ، لاہور

sirsyedmemlib@hotmail.com   +9203004280241

انتساب

نبی رحمت محمد رسول اللہ

کے نام

جن کی ذات ستودہ صفات اجماع امت سے بے نیاز تھی!

صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم

اور پہلے خَلِیفَۃُ الرَّسُوْلِ الرَّاشِدُ الْمَہْدِی ابوبکر صدیق

کے نام

جنہوں نے فتنۂ رِدَّۃ میں اجماع امت کے خلاف فیصلہ فرمایا

رضی اللہ تعالی عنہ۔

=================

اور معذرت!

ان دورخ محدثین، فقہاء، مجتہدین، مشائخ اور ملالی حضرات سے

جو کتاب اللہ کے مقابل، احادیث، اور اجماع امت کے راستے

امت مسلمہ کی سوچ، فہم اور عمل میں بگاڑ، مشکلات اور اندھیرے پیدا کرتے رہے۔

..... اَلَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ کُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَھُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝

وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی نعمت (قرآن) کو کفر سے بدل دیا اور قوم کو ایسی جگہ لے آئے

جہاں خسارا، تباہی اور کوئی پوچھنے والا نہیں۔ (ابراھیم 14:28)

اسلام میں عقل وشعور کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ یہاں ''بے شعور'' مسلمان کے مقابل ''با شعور'' غیر مسلم کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے ـــــ شعور ـــــ انفرادی ہو خواہ اجتماعی، وہ اگر منفی راہ دکھلاتا ہے، تب بھی خطاب کے قابل اُسے ہی سمجھا گیا ہے۔ اس طرح عقل ماورائے محسوسات میں موثر نہ ہونے کے باوجود قابلِ خطاب ٹھیرائی گئی ہے۔ لیکن اس کے معنٰے یہ نہیں کہ وہ مکمل طور پر ترقی کی منازل طے کر چکی ہے۔ یہ مقام تو صرف ''وحی'' کا ہے کہ وہ ''مُرتقی'' بھی ہے اور مجلّٰی بھی۔ انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی عقل کی جلا کے لئے وحی سے کمک لیتا رہے اور جہاں وحی کی پالیسی موجود نہ ہو، وہ مختار کل ہے۔ بات کیا ہوئی کہ راہنمائی کے دو اہم اصول ہیں ـــــ عقل اور وحی ـــــ ان میں سے عقل ترقی پذیر ہے اور وحی ترقی یافتہ! لہٰذا اصول استدلال کی رُو سے اگر کہیں ''تزاحم'' اور کشاکش محسوس ہو تو فوقیت ''وحی'' ہی کو رہے گی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دیگر امتوں کی طرح ہمارے علمائے اُمت بھی ''وحی'' کو ''ثانوی'' حیثیت دے کر اپنے گھڑے بندھے اصول وضوابط کو پہلی سٹیج پر رکھنے کو عقیدہ بنائے ہوئے ہیں۔ جبکہ ''فقہ اسلامی'' کے اگر نام ہی پر نظر کی جائے تو اس سے بھی عقل کی اُونچائی اور فہم کی برتری واضح ہو جاتی ہے۔ ایسے میں ملت مسلمہ کے ہادیوں اور رہنماؤں کا ''وحی قرآن'' کو ثانوی درجے پر رکھنا دینی تاریخ کا ایک المیہ ہے۔ آج کسی بھی نئی صورت حال کے پیش آنے پر اگر کہیں قرآنی حل پیش کیا جاتا

ہے، تو بلا تردّد ''اجماع'' اُمت کا حوالہ دے کر اسے مسترد کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ اجماع نہ دین ہے اور نہ اس میں دین بننے کی صلاحیت ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ ''راہنمائی'' کے دیگر متعدد اصولوں کی طرح اس سے بھی راہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

امام شوکانی (1834م) علماء کے متفقہ موقف کو جامع صورت دیتے ہوئے واضح کرتے ہیں:

وَاَمَّا فِی الْاِصْطِلَاحِ فَهُوَ اتِّفَاقُ مُجْتَهِدِیْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ بَعْدَ وَفَاتِهٖ فِیْ عَصْرٍ مِّنَ الْاَعْصَارِ عَلٰی اَمْرٍ مِّنَ الْاُمُوْرِ وَالْمُرَادُ بِالْاِتِّفَاقِ الْاِشْتِرَاکُ اِمَّا فِی الْاِعْتِقَادِ اَوْ فِی الْقَوْلِ اَوْ فِی الْفِعْلِ

(اِرْشَادُ الْفُحُوْلُ، طبع سورابایا صوبہ جاوا ساٹرا، انڈونیشیا صفحہ 63/25 تا 27)

اجماع کے اصطلاحی معنے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد، آپؐ کی اُمت کے مجتہد اصحاب کا کسی بھی دور میں، کسی بھی معاملہ میں متفقہ رائے پیش کرنا۔ یہ رائے کسی عقیدے کی بابت ہو، خواہ قول اور فعل کے بارے میں، اس سے فرق نہیں پڑتا۔

امام شوکانی کا یہ شذرہ واضح کرتا ہے کہ مجتہدین کا ایسا اجماع صرف اسی دور کے مجتہدین ہی سے مربوط ہے۔ بعد کے دور والے چاہیں تو سابقہ اجماع کو قبول کریں، چاہیں تو نیا اجماع منعقد کر لیں، بلکہ ایک ہی دور میں جس طرح مختلف لوگوں اور قوموں کا کسی ایک کھانے پر متفق ہونا محال ہے، اسی طرح مشرق و مغرب کے علماء کو کسی ایک مقام پر متفق دکھلانا بھی محال ہے۔

تکمیلِ دین اور اجماعِ اُمت۔ لوگوں نے ذہنی تحفظات کی آڑ میں اپنے اختراعی قواعد وضوابط میں یہ بھی طے کرلیا ہے کہ —— اجماع امت دین کا ایک اہم ماخذ ہے، اسکی نفی کرنے سے ایک اہم ماخذ کی نفی لازم آئے گی وغیرہ —— یہ ایک نہایت ہی سطحی سوچ ہے! دین کی تکمیل ہو چکی ہے اسے فقہی اجتہادات، اجماع امت اور قیاس کے ذریعے اگر مکمل کرنے کی گنجائش ہوتی تو اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام میں یہ وضاحت نہ کی جاتی کہ اب دین تکمیلی مراحل طے کرکے اپنی غایت پوری کر چکا ہے اور اللہ نے اس دین کا نام ''اسلام'' رکھ کر اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمادیا ہے۔ (المائدہ 5:3)

اس طرح قرآن پاک نے خود ہی اجماع کی ''تکمیل دین'' —— کی حیثیت کو مسترد کردیا ہے۔ اب رہا فروعات اور نئے پیش آیندہ مسائل میں اجتہاد اور شعور وآگہی کو کام میں لاکر مسائل کا وقتی اور علاقائی سطح پر حل نکالنا تو یہ ملک وملت کے زندہ رہنے کا اشارہ ہے۔ جو ملت نئے چیلنجوں کا سامنا نہیں کرتی، ''مفید'' کو جذب اور ''نامفید'' کو مسترد کردینے کی صلاحیت نہیں رکھتی، وہ مردہ ہے یا نیم جان، کہ نہ زندوں میں شمار ہو نہ مُردوں میں شامل۔ کیونکہ ''اجتہاد'' زندہ قوموں کا ہتھیار رہے، جو اُن کی بقاودوام کی ضمانت فراہم کرتا ہے، اسے ختم کرنے والی قوم نہ اپنا دفاع کرسکتی ہے اور نہ کبھی صحیح راہ عمل تجویز کرپاتی ہے۔ نبوت تو ختم ہوسکتی تھی کہ آئندہ یہ کام وحی قرآن کی ضوء میں عقل واجتہاد سے لیا جانا تھا لیکن اجتہاد کو بھی نبوت سمجھ کر اگر ختم کرڈالا گیا تو پھر شعور اور اجتہاد سے آراستگی کا معاملہ ہمیشہ کے لئے کھٹائی میں پڑا رہ جائے گا۔

اجماع کی حجّیت پر قرآنی دلائل!

انسان کے اجتماعی شعور کی اہمیت ہر دور میں رہی ہے اس سے انکار، ان بدیہیات سے انکار کے مترادف ہے جو اس ضمن میں واضح راہنمائی کرتی ہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ اگر شعور "وحی قرآن" سے غذا حاصل کرتا ہے تو اسکی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے۔ لیکن یہاں افتاد یہ ہے کہ حصول مقصد کے ذرائع کو ہمیشہ منزل مقصود ٹھیرایا جاتا رہا ہے، جس سے رفتہ رفتہ ہوا یہ کہ منزل اوجھل اور دور ہوتی چلی گئی اور "ذرائع" ہی اصل مقصود بنتے چلے گئے۔ اس پر روایات اور تقلید نے یہ ستم ڈھایا کہ ——— امت کے رواجی میلانوں کو نبوت کے درجے پر فائز ٹھیرا دیا، جس سے سچائی باطل کی دبیز تہوں میں دب کر رہ گئی ——— دیکھئے یہ لوگ کس بے رحمی سے علماء کی مفلوج سوچ کو وحی قرآن پر حاوی قرار دیتے اور اپنی "برتری" کا خود وحی ہی سے استدلال فرماتے ہیں۔

پہلی دلیل} ارشاد ہے:

"وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِمَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ط وَسَآءَتْ مَصِيْرًا

(النسآء 4:115)

یہاں "مؤمنین" کے راستہ کو اختیار نہ کرنے کی وعید دخول جہنم ٹھیرائی گئی ہے۔ لیکن یہ استدلال مفلوج ہے ——— اس سے اجماع کا استنباط نہیں ہو سکتا۔ اس میں

مومنین نے جو راستہ اختیار کیا ہے اس کی نشاندہی کی گئی ہے ـــــ یعنی انہوں نے رسولؐ پر ایمان لانے اور آپؐ کی مخالفت میں کفر کا ساتھ نہ دینے کا متعین راستہ اختیار کیا ہے۔ اب کوئی بھی انسان مومن ہو خواہ کافر ـــــ اگر اس بات میں ان کی مخالفت کرے گا تو اس کا انجام بلاکتوں کی جہنم میں دخول ہوگا اور یہ مفہوم کسی طرح بھی اجماع کی حجّیت کا سہارا نہیں بن سکتا۔

دوسری دلیل} قرآن پاک میں ہے:

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَ تَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ (آلِ عمران3:110)

تم کو بہترین امت بنایا گیا ہے کہ تم لوگوں میں اچھائی کو رائج کرو اور برائی کو روکو۔

وجہ استدلال میں بتلایا جاتا ہے کہ ـــــ اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ اور نَھْیٌ عَنِ الْمُنْکَرِ ـــــ نظام اسلامی کے دو روشن ماٹو (motto) ہیں، جو دلیل فراہم کرتے ہیں کہ ان کی مخالفت سے اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ کی مخالفت اور انکی مزاحمت ـــــ میں نَھْیٌ عَنِ الْمُنْکَرِ کی مزاحمت لازم آتی ہے، جبکہ ان کے اجتماعی فیصلوں کا اتباع لازمی ہے۔

تبصرہ: آیت کا لہجہ ـــــ خبریہ ہے جس سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ مومنین یہ کام کرتے ہیں لیکن اتنا کہنے سے انکی کسی بات کے شرعی حجت ہونے کا استدلال نہیں ہوسکتا ـــــ اور جب تک کسی بات کو شرعی حجت تسلیم نہ کیا جائے، اجماع کا ثبوت فراہم نہیں ہوسکتا۔ ان کی بات صرف اس حد تک قابلِ پذیرائی ہے کہ انہوں نے جس بات کے "معروف" ہونے کی خبر دی ہے، وہ معروف ہی ہوگی اور جسے منکر ٹھیرایا ہے وہ منکر ہی ہوگا۔ اس معروف و منکر کا تعین بھی

قرآن ہی کا وظیفہ بن جاتا ہے۔یہاں اجماع کی حیثیت صفر کے برابر ہو جاتی ہے۔

امام شوکانی لکھتے ہیں:

اَمَّا اَنَّهٗ دَلِيْلٌ بِنَفْسِهٖ فَلَيْسَ فِيْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ مَا يَدُلُّ عَلٰى ذَالِكَ ثُمَّ الظَّاهِرُ اَنَّ الْمُرَادَ مِنَ الْاُمَّةِ هٰذِهِ الْاُمَّةُ بِاَسْرِهَا لَا اَهْلُ عَصْرٍ مِّنَ الْعُصُوْرِ۔ (ارشاد الفحول صفحہ 10/69 تا 12)

یہ کہنا کہ زیر بحث آیت ہی اجماع کی دلیل ہے، اپنے اندر کچھ وزن نہیں رکھتا۔خاص کر آیۃ کے ظاہر الفاظ سے محسوس ہوتا ہے کہ امت سے تمام امت ہی مراد ہے۔ یہ نہیں کہ کسی بھی دور کی اُمت اور وہ بھی خاص کر مجتہدین کا گروہ مطلوب ہے؟

اس اقتباس کے تناظر میں حضرت معاذ بن جبلؓ (639م) کی وضاحت سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے کہ انہیں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب یمن کا گورنر بنا کر بھیجنا چاہا تو لوگوں کے درمیان متنازعات کو نمٹانے کا طریقہ دریافت فرمایا۔معاذ نے عرض کیا کہ میں کتاب وسنت کے مطابق فیصلہ کروں گا، اس میں کامیابی نہ ہوئی تو اپنی صوابدید سے کام لوں گا——ثُمَّ اَجْتَهِدُ بِرَاْيِيْ——

(طبقات ابن سعد جلد 120/2، اسد الغابہ طبع مصر جلد 376/4)

اس طرح سیدنا معاذؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور فیصلوں کے لئے کتاب وسنت کا حوالہ تو دیا، لیکن ''اجماع'' کا ذکر تک نہیں فرمایا——بنا بریں امام شوکانی لکھتے ہیں:

اَمَّا ... قِصَّۃُ مَعَاذٍ فَاِنَّہٗ لَمْ یَجْرِ فِیْہَا ذِکْرُ الْاِجْمَاعِ وَلَوْ کَانَ مُدْرَکًا شَرْعِیًّا لَمَا جَازَ الْاِخْلَالُ بِذِکْرِہٖ عِنْدَ اشْتِدَادِ الْحَاجَۃِ اِلَیْہِ۔

(ارشاد الفحول صفحہ نمبر 29/67 تا 30)

''معاذؓ نے اپنے الفاظ میں اجماع کا ذکر ہی نہیں کیا۔ جبکہ اجماع اگر کسی طرح کی شرعی ضرورت ہوتا ——— یا شرعی دلیل کی حیثیت رکھتا تو ناممکن تھا کہ شدید ضرورت کے باوصف اسکا ذکر نہ کیا جاتا۔''

یہ اور اس طرح کی دیگر وجوہات کو سامنے رکھ کر اجماع کی مجموعی پوزیشن کو تسلیم شدہ حقیقت کا رنگ نہیں دیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

وَالْعَجَبُ مِنَ الْفُقَہَاءِ اَنَّہُمْ اَثْبَتُوا الْاِجْمَاعَ بِعُمُوْمَاتِ الْاٰیَاتِ وَالْاَخْبَارِ وَاَجْمَعُوْا عَلٰی اَنَّ الْمُنْکِرَ لِمَا تَدُلُّ عَلَیْہِ الْعُمُوْمَاتُ لَا یَکْفُرُ وَلَا یَفْسُقُ اِذَا کَانَ ذٰلِکَ الْاِنْکَارُ لِتَاْوِیْلٍ.......

''تعجب تو علماء کے اس وطیرے پر ہے کہ وہ آیات و احادیث کے عام لہجے سے ''اجماع'' کا خصوصی استنباط کرتے ہیں جبکہ انہی کا اسپر بھی اجماع ہے کہ کوئی بھی منکر ——— جب آیات و احادیث کے عموم سے معلوم ہوتا ہو تو اسے تسلیم نہ کرنیوالے کی نہ تکفیر لازم آئے گی، اور نہ ہی تفسیق، خاص کر جب کسی انکار کنندہ نے کسی تاویل کا سہارا لے رکھا ہو۔''

(ارشاد الفحول صفحہ نمبر 23/67 تا 24)

ان ہی خامیوں اور کمزوریوں کو ملحوظ رکھ کر امام شوکانی لکھتے ہیں:

وَلَا یَخْفَاکَ اَنَّ الْاٰیَۃَ لَا دَلَالَۃَ لَہَا عَلٰی مَحَلِّ النِّزَاعِ اَلْبَتَّۃَ

فَاِنَّ اِتِّصَافَھُمْ بِکَوْنِھِمْ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ لَا یَسْتَلْزِمُ اَنْ یَکُوْنَ قَوْلُھُمْ حُجَّۃً شَرْعِیَّۃً تَصِیْرُ دِیْنًا ثَابِتًا عَلٰی کُلِّ الْاُمَّۃِ۔

معلوم ہوا کہ آیہ (آل عمران 110:3) میں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جو اجماع کی حجیت کا کام دے سکے کیونکہ کسی کے اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ اور نَھْیٌ عَنِ الْمُنْکَرِ — پر کاربند ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی بات ایسی شرعی حجت کی آئینہ دار ہو سکتی ہے، جو لامحالہ پوری امت کے لئے ثابت شدہ ''دین'' کی حیثیت رکھتی ہو۔ (ارشاد الفحول صفحہ نمبر 6/69 تا 7)

تیسری دلیل} قرآن پاک میں ہے:

وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ........

(البقرۃ 143:2)

''اور ہم نے اسی لئے تم کو میانہ روی کا حامل بنایا کہ آگے چل کر تم ہی لوگوں کے اچھے برے کی گواہی دے سکو۔''

وجہ استدلال میں کہا جاتا ہے کہ یہ امت افراط وتفریط کا راستہ چھوڑ کر درمیانی راہ پر چلنے والی ہے اور یہ وصف ظاہر کرتا ہے کہ ان سے خطا اور لغزش سرزد نہیں ہو سکتی اور جس سے خطا کا صدور نہ ہو ان کی بات سند کی حیثیت رکھتی ہے۔

تبصرہ: یہاں مسلمانوں کو جس وصف سے متصف کیا گیا ہے، اس سے ان کے اچھے کردار کا پتہ چل سکتا ہے، لیکن اچھا کردار کسی طرح کی عصمت کو مستلزم نہیں ہے۔ احتمال ہے کہ وہ کسی بھی معاملہ میں فکری لغزش کھا جائیں اور انکی مزعومہ عصمت کا آبگینہ چور چور ہو۔

خاص کر ''عصمت'' صرف انبیاء کے لئے خاص ہے، اسے ہی اگر عام کیا جائے تو انبیاء کا امتیازی اعزاز اور اختصاص ختم ہو جاتا ہے ــــــ علاوہ ازیں مسلمانوں کو ''شُھدَآءَ'' کا تمغہ عطا کیا گیا ہے۔ ادھر انہی ''شُھدَآءَ'' کی بابت گروہِ مفسرین نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ ایسی شہادت یومِ آخرت میں مطلوب ہے۔ پس جب ''آخرت'' کا احتمال بھی دریچۂ خیال سے جھانک رہا ہے تو ظاہر ہے کہ آخرت میں کوئی اجماع نہ کارآمد ہوگا اور نہ سودمند! ــــــ وہاں کیا صورتحال ہوگی؟ کس قوم کی زبان استعمال ہوگی؟ کن ضوابط اور اصولوں کو معرضِ استدلال میں پیش کیا جائے گا؟ یہ تمام امور ــــــ امرِ غیب سے مربوط ہو جاتے ہیں ــــــ لیکن ہمیں تو اپنے دور کیلئے اور اسی دنیا میں راہنمائی چاہئے، خواہ بفرضِ محال ایسی راہنمائی کیلئے اجماع ہی کا سہارا کیوں نہ لیا جائے ــــــ ہم اگر اپنے فیصلے آخرت پر اٹھا رکھیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آیہ کریمہ ہم اہل دنیا کی مشکل کُشائی اور راہنمائی سے قاصر ہے ــــــ سیدھی سی بات ہے کہ اسکا ''اجماع'' سے نہ تعلق ہے اور نہ واسطہ!

امام شوکانی جو خود بھی بڑے محدث، بڑے مفسر، بڑے فقیہ اور درجۂ اجتہاد پر فائز انسان تھے، فقہا اور اہل حدیثوں کے اس طرح کے استدلال سے بڑے نالاں تھے فرماتے ہیں کہ:

''عَلٰی کُلِّ حَالٍ فَلَیْسَ فِی الْاٰیَۃِ دَلَالَۃٌ عَلٰی مَحَلِّ النِّزَاعِ اَصْلًا ــــ فَاِنَّ ثُبُوْتَ کَوْنِ اَھْلِ الْاِجْمَاعِ بِمَجْمُوْعِھِمْ عُدُوْلًا ــــ لَا یَسْتَلْزِمُ اَنْ یَکُوْنَ قَوْلُھُمْ حُجَّۃً شَرْعِیَّۃً تَعُمُّ بِھَا الْبَلْوٰی فَاِنَّ

ذالک امر الی شارع لا ـــــ الی غیرہ ـــــ وغایۃ ما فی الآیۃ ان یکون قولہم مقبولا اذا اخبرونا عن شیء من الاشیاء ـــــ واما کون اتفاقہم علی امر دینی یصیر دینا ثابتا علیہم وعلی من بعدہم الی یوم القیامۃ فلیس فی الآیۃ ما یدل علی ہذا ـــ ولا ہی مسوقۃ لہذا المعنی ولا تقتضیہ بمطابقۃ ولا تضمن ولا التزام۔

جو بات بھی ہو آیہ زیر بحث میں اجماع سے بالکل بحث نہیں کی گئی۔ اور یہ بات کہ اہل اجماع کے "عادل" ہونے سے انکی بات کا وزن بڑھ جاتا ہے، درست ہوسکتی ہے۔ لیکن اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ شریعت کے کسی ایسے معاملہ میں، جو معاشرے کے لئے امتحان کا موجب بنا ہوا ہے، ان کی بات سند اور شرعی حجت کے طور پر تسلیم کر لی جائے؟ یہ حق صرف اور صرف شارع علیہ السلام کا ہے، کسی اور کا نہیں۔ اور آیہ زیر بحث کے تناظر میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ اہل اجماع کی رائے کی اس حد تک پذیرائی ہو سکتی ہے، اگر وہ کسی غیر دینی امر کی بابت ہو۔ لیکن ان کی متفقہ رائے کو کسی دینی امر میں اس اساس پر تسلیم کرنا کہ اس سے دین کا اثبات ہوتا، اور ان پر یا ان کے بعد آنے والوں پر اطاعت واجب ہو جاتی ہو تو اس خیال اور اس نظریہ کا استدلال بالکل غلط اور اس آیت سے بے تکلف کچھ اخذ کرنے کے مترادف ہے۔ خاص کر یہ آیت اجماع کے موضوع سے نہ بحث کرتی ہے اور نہ ہی اس غرض کے لئے نازل ہوئی ہے، نہ مطابقۃ نہ تضمنا اور نہ التزاما۔ (ارشاد الفحول صفحہ نمبر 33/68 تا 37)

یہ تھیں وہ آیات جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اجماع کی حجیت کی اساس فراہم کرتی ہیں۔لیکن آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ ان میں سے کوئی بھی آیت نہ اجماع امت سے بحث کرتی ہے نہ متبادل شریعت کے طور پر اجماع کی اہمیت واضح کرنے کیلئے نازل ہوئی ہے؟ اور نہ ہی اجماع کو نبوت کے مترادف بنانے کی اجازت دیتی ہے۔تاہم یہاں ایسے بھی ''بے شعورے''مُلاں موجود ہیں جو اپنے فتاویٰ کو وحی قرآن اور نبوتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر ترجیح دینے سے نہیں شرماتے۔ایسے اندھوں کے ہاتھ میں اگر اجماع کی ''چھڑی''تھمادی جائے تو کسی کی نہ آنکھ سلامت رہے گی اور نہ سر —— یہ چشم نیم باز لوگ فتویٰ اور اجماع میں کوئی امتیاز برتنے پر آمادہ نہیں۔امام محمد عبدہٗ (1905 م) جو خود بھی طبقہ اہل فتویٰ میں سے تھے بلکہ منصب اجتہاد پر بھی فائز تھے۔انہیں ہمیشہ یہ شکوہ رہا ہے کہ علمائے اسلام آج تک نہ تو اجماع کی مبادیات سے آگاہ ہو سکے ہیں اور نہ ہی انہیں شعور ہے کہ اس کے منابع اور ماخذ کیا ہوتے ہیں؟ (تفسیر المنار 322/8) 1

اور اس موضوع کی اسی حساسیت کا امام شوکانی نے بھی احساس کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

وَالْمُنْصِفُ یَعْلَمُ اَنَّهٗ لَا خَبْرَلَهٗ مِنَ الْاِجْمَاعِ اِلَّا مَایَجِدُهٗ مَکْتُوْبًا فِی الْکُتُبِ

(ارشاد الفحول صفحہ نمبر 65) اہلِ انصاف جانتے ہیں کہ یہ لوگ جسے ''اجماع'' کہتے ہیں، اس کی ابجد تک سے نا آشنا ہیں۔ یہ تو کتابوں میں جب ''اجماع'' کو لکھا ہوا پاتے ہیں تو حقیقت معلوم

1 (زیادہ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو امام عبدہ کی تفسیر جزو عم مطبوعہ مطابع الشعب قاہرہ صفحہ نمبر 12/107 تا 17)

کیے بغیر اسے ہی اجماع کہہ ڈالتے ہیں۔

کیا اجماع میں دین بننے کی صلاحیت ہے؟

تمام اصولی اس بات پر متفق ہیں کہ اجماع میں دین بننے کی صلاحیت ہے۔وہ کہتے ہیں کہ دین کے چار ماخذ ہیں ان میں سے کسی ایک کا انکار ’’اصل دین‘‘ کے انکار کے برابر ہے۔ (i) کتاب، (ii) سنت، (iii) اجماع اُمت اور (iv) قیاس قیاس کے مجموعے کا نام اجماع اُمت ہے۔آپ فقہیات کا مطالعہ کیجئے تو ہزاروں لاکھوں مسائل اجماع امت اور قیاس ہی سے ’’کشید‘‘ کیے ہوئے ملیں گے اور دین ہی کی حیثیت سے معمول بہا نظر آئیں گے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امتِ مسلمہ بحیثیت مجموعی گوسالۂ اجماع وقیاس کی سامری بن چکی ہے،لیکن وہ سوچیں کہ اجماع کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حین حیات میں نہ وجود تھا اور نہ ہی نبوت کی موجودگی میں اس کا انعقاد ممکن تھا۔یہ بعد کی تخلیق ہے جبکہ ملت اسلامیہ از ابوبکرؓ —— تا ایندم —— کا عقیدہ یہ چلا آرہا ہے اور خود قرآن کریم کی گواہی بھی یہی ہے کہ دین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے آخری چند مہینوں میں مکمل کر دیا گیا تھا۔بلکہ اس کے بعد آپکی وفات تک کوئی بھی نئی آیت اور نیا حکم نازل نہیں ہوا،جس سے یارانِ پیغمبرؐ نے محسوس کرلیا کہ اب آپؐ اس حیات مستعار سے رخصت ہونے والے ہیں۔ایسے میں جب کہ تکمیل دین کا واحد سہارا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہی نہیں رہا تو بعد میں نئے معیارات کو ایزاد کرکے دین کی حیثیت سے مسلط کرنے کا جواز کیا

بن جاتا ہے۔ کیا دین کے نام پر قیامت تک ''ایزادات'' کو دین کی تکمیل ہی کے اسباب میں شمار کیا جاتا رہیگا؟

کیا اتنی بڑی تہمت اس دین پر جو اپنی غرض وغایت پوری کر کے ارتقاء اور تکمیل کی بلندیوں پر پہنچ پایا ہے، اسے ہی ''غیر نبی'' لوگوں کے اجماع سے نامکمل سمجھ کر مکمل کیا جاتا رہے گا؟ نہیں یارو! ایسا نہیں ہوگا۔ یہاں تنہا معتزلہ کی بات نہیں، امام شوکانی، مفتی محمد عبدہ اور علامہ فناوی (1430م) جیسے قد آور اصحابِ علم اور دیگر اصولیوں نے بھی ''اجماع'' کو دین تسلیم ہی نہیں کیا —— کہ دین کی تکمیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہو چکی ہے اور تکمیل کے تمام رخنے بند۔

کیا اجماع کیلئے مستند ہونا ضروری ہے؟

امام شوکانی لکھتے ہیں:

....اِختلفُوا فِیمایَنعقِدُ بِہِ الاِجماعُ فقالَ جماعۃٌ لا بُدَّ لَہُ مِن مُستَنَدٍ لِاَنَّ اَھلَ الاِجماعِ لَیسَ لَھُمُ الاِستِقلالُ بِاِثباتِ الاَحکامِ فَوَجبَ اَن یَکُونَ مِن مُستَنَدٍ وَّلاَنَّہُ لَو اِنعَقَدَعَن غَیرِ مُستَنَدٍ لاَقتَضٰی اِثباتَ نَوعٍ (مِنَ الشَّرعِ) بَعدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ وَ ھُوَ بَاطِلٌ (ارشاد الفحول صفحہ نمبر 70)

اجماع کے ذریعے ثابت شدہ حکم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کے لئے اوپر سے کسی ''سند'' کا ہونا ضروری ہے —— کیونکہ اہلِ اجماع کی یہ حیثیت

نہیں ہے کہ وہ شرعی احکام صادر کرنے کیلئے "ہائی اتھارٹی" رکھتے ہوں۔
ایسے میں بے سند اجماع کو تسلیم کرنے کے معنی ہو نگے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شریعت سازی کے دروازے کو کھلا رکھنے کے، جو سراسر کفر اور سراسر باطل ہے۔

بات کیا ہوئی کہ اجماع بھی وہی قابلِ پذیرائی ہے جو

(i) کسی دینی معاملہ میں نہ ہو کہ دین تو مکمل ہو چکا ہے۔اور

(ii) جو وحی الٰہی کی عمومی پالیسی سے کشید کیا گیا ہو۔

لیکن اس سے اجتہاد کی نفی اخذ کرنا غلطی ہے۔ اجتہاد تو اندر کی روشنی ہے جس سے شعور وآگہی جلا پاتے ہیں اور عقل ودانش پروان چڑھتے ہیں۔ یہ بات ہو رہی ہے اجماع امت کی دینی حیثیت کی جو کہ کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ سب کو تسلیم ہے کہ دین مکمل ہو چکا ہے۔

اجماع میں صحابہ کا رول۔ یہ تسلیم شدہ ہے کہ اجماع کی دینی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے۔لیکن اس کا اگر کسی دینی معاملے سے تعلق نہ ہو تو اس ضمن میں کن لوگوں کا اجماع وقیع اور قابلِ تردید ہے؟ تو سبھی اہلِ علم کہتے ہیں کہ صحابہ کا اجماع زیادہ وزنی اور زیادہ قابلِ اعتبار ہے۔ بلکہ داؤد ظاہری (888م) تو صرف ایسے ہی اجماع کو تسلیم کرتے ہیں جو صحابہ کی مجلس سے مشتہر ہوا ہو، بلکہ ابن حبان (965م) اور احمد بن حنبل (855م) بھی صحابہ کے اجماع کو ہی ترجیح دیتے تھے، اور امام ابوحنیفہؒ (767م) فرماتے تھے:

اِذَا اجْمَعَتِ الصَّحَابَةُ عَلٰی شَیْءٍ سَلَّمْنَا وَ اِذَا اجْمَعَ

التَّابِعُوْنَ زَاحَمْنَاهُمْ (ارشاد الفحول صفحہ نمبر 72)

جب کسی معاملہ میں صحابہ کا اجماع ہوگا تو سرِ تسلیم خم
کریں گے اگر تابعین کا ہوگا تو مزاحمت کریں گے۔

صحابہ کے اجماع میں سیدنا صدیق اکبرؓ (634م) کی بیعت کو شامل کیا جا سکتا ہے۔اگر چہ انصار میں سے حضرت سعد بن عبادہؓ (635م) نے اس بیعت کو دینی حیثیت نہیں دی، لہذا تسلیم نہیں کیا بلکہ آپ نے تو بعد میں خلیفہ دومؓ کی بیعت کو بھی تسلیم نہ کر کے اپنے حق استرداد کا احساس دلایا تھا۔غالبًا آپ کا خیال تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار کے لئے یکساں حیثیت رکھتے تھے، بلکہ فرما بھی چکے تھے کہ اگر میں مہاجر نہ ہوتا تو اپنے آپ کو انصار کہلانے پر زیادہ فخر محسوس کرتا —— کیونکہ انصار نے مہاجرین کے لئے اپنے گھروں کے دروازے کھلے رکھ کر نصرت و اعانت، ایثار و قربانی کی ایک لازوال مثال قائم کی تھی۔پھر اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حسن کارانہ عمل سے سہ آتشہ بنا رکھا تھا۔آپؐ نے حقوق کی تقسیم میں عدل و انصاف کو اس حد تک ملحوظ رکھا کہ حقوق میں خورد بین لگا کر بھی ''حق تلفیوں'' کا سراغ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔لیکن نبیؐ کے بعد ایسی نادر الوقوع مثال کا سو فیصد قائم رکھنا چونکہ انہونی بات تھی لہذا اس توقع پر کہ بات اثر کرے گی اور دل میں اتر جائے گی —— اظہار کو زبان مل گئی اور بات ہونٹوں تک آن پہنچی لیکن انکی نہیں سنی گئی۔اب اگر یہ دینی اجماع ہوتا تو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے اختلاف کو ''ویٹو'' کا وزن مل جاتا لیکن کسی سیاسی اجماع کے لئے اتنے وزنی حق کو استعمال کرنے کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ نظام تو ابھی علی منہاج النبوت ہی چل رہا تھا، لہذا کسی طرح کی کشاکش اور مزاحمت کو غیر ضروری سمجھا گیا۔لیکن

عرصہ بعد اس اجماع کو ایک عربی فقرے سے یہ سند فراہم کی گئی کہ —— حکمرانی کا حق صرف قریش کو پہنچتا ہے —— حالانکہ عربی کا یہ فقرہ جہاں قرآن کی عمومی پالیسی اور مزاج سے میل نہیں کھاتا، وہاں اسے فرمانِ رسولؐ کی حیثیت سے پیش کرنا معاملہ کی سنگینی کا احساس بھی دلا رہا تھا کیونکہ —— وحیِ الٰہی نے کہیں بھی حکمرانی کو ذات پات سے مربوط نہیں کیا، بلکہ مختلف مواقع پر احساس دلایا کہ یہ اللہ کا حق ہے جسے چاہے حکمرانی کا اہل بنائے —— اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ —— نیز قرآن ہی نے داؤد علیہ السلام کی زبانی واضح فرمایا ہے کہ:

......اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُوْنَ o (الانبیاء 21 : 105)

زمین اللہ کی ہے، جن میں صلاحیت کار ہو وہی اسکے وارث بن جاتے یا بنا دیے جاتے ہیں۔

اس طرح نہ صرف یہ کہ اس بے سند عربی فقرے نے ذہنوں میں خلجان پیدا کر دیا تھا، اور نہ صرف حالیہ بیعت ہی قریش کے حق حکمرانی کی اساس پر کی گئی تھی، یہ غلط اشارہ بھی مل رہا تھا کہ آیندہ بھی جب کبھی خلافت کے عنوان سے بیعت ہوگی وہ صرف قریشی خلیفہ ہی سے خاص ہوگی۔

یہ عربی فقرہ کس کی تراوش فکر کا شاہکار ہے —— بیعتِ ثقیفہ کے دن سے بلکہ اس کے بعد تک کسی بھی صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تک نہ تھا، جبکہ حکمرانی کی مناسبت سے چاہئے تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حین حیات میں امت کے خورد و کلاں کو یہ ذہن نشین کرا دیتے کہ خلافت صرف ہمارے خاندان قریش ہی میں رہے گی —— یہ کیا؟ رسول صلی اللہ علیہ وسلم خود تو وضاحت نہ فرمائیں مگر بعد میں آنے والے آپؐ کے نام کو

ایکسپلائٹ کر کے مشتہر بھی کریں اور موثر بہ ماضی بھی بنا ڈالیں۔

یہاں خلفائے ثلاثہ کی بیعت کے ضمن میں سیدنا علیؓ کا کشیدہ رہنا بھی درمیان میں لایا جاتا ہے، جبکہ حضرت موصوف کی طرح حضرت ابوبکرؓ بھی قریشی ہی تھے۔ لیکن سیدنا علیؓ کا معاملہ دوسری نوعیت کا تھا۔ آپ قرشیت سے بھی دو قدم آگے جانا چاہتے تھے، یعنی قرشیت بھی ہو اور موروثیت بھی، بلکہ موروثیت کے بارے میں آپ اور حضرت معاویہؓ (680م) بالکل یک خیال و یک رائے تھے ـــــ دونوں ہی جمہوریت اور رائے عامہ سے الرجک تھے ـــــ لیکن سب کچھ تسلیم کر لینے کے باوصف سیدنا علیؓ کی دعویداری کی پذیرائی مشکل تھی کہ آپ بالواسطہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار تھے۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ زندہ و سلامت بھی تھے اور بلاواسطہ اقرب بھی ـــــ موروثیت کی اساس پر خلافت صرف ان کا حق بنتی تھی۔ مگر صحابہ کرام جو اجتماعی طور پر جمہوری ذہن رکھتے تھے، موروثی سوچ کا ساتھ نہ دے سکتے تھے بلکہ حق تو یہ تھا کہ اس زاویہ سے کیس اتنا کمزور تھا کہ حضرت علیؓ کسی کو ہمنوا بنا سکتے تھے، نہ ہی کسی اور حوالہ سے اپنے وجود کا احساس دلا سکتے تھے۔ اب سوائے روٹھنے اور کبیدہ خاطر ہونے کے اور کیا کر سکتے تھے؟

اجماع امت کی شرعی حیثیت ـ یہ طے شدہ ہے کہ "اجماع" ہمیشہ امت کی مصلحت کے گرد گھومتا ہے جبکہ مصالح مختصر یا طویل عرصہ کے بعد بدلتے بھی رہتے ہیں۔ ایسے میں اگر بحث کی خاطر ہی سہی اجماع کی دینی حیثیت تسلیم کر لی جائے تو اس کے معنے یہ ہونگے کہ دین جو کہ مبادیات اور اساسیات کا نام ہے، مصالح کے تابع آ کر پالیسی

بدلتا رہتا ہے ——— مثلاً پچیس سال پہلے جس مصلحت کے تابع پالیسی بنی اور دین کے لباس میں سامنے آئی، اور پچیس سال بعد نئی مصلحت کے نمودار ہونے پر جس نئی پالیسی نے دین کا روپ دھارا، دونوں ہی دینی حیثیت رکھتی تھیں۔ حالانکہ ''اساسیات'' میں اتنا تغیر و تبدل نہ پہلے کبھی روا رہا ہے نہ آئندہ گنجائش ہونی چاہیے، کیونکہ اجماع کی پوزیشن صرف اتنی ہے کہ وہ کسی معاملہ کے بارے میں نشاندہی کرے کہ اس کی بابت فیصلہ یوں یوں ہوا تھا اور بس ——— اجماع مثیل قرآن نہیں ہوسکتا، اسکی دینی حیثیت کہیں بھی قطعی شکل اختیار نہیں کرسکتی۔ قرآن اپنے بلیغ اندازِ فہمائش میں مثلِ قرآن بنالانے کو ناممکن ٹھیرا کر اشارہ دیتا ہے کہ ——— قرآن چونکہ اصل دین ہے لہٰذا اجماع کے حوالہ سے اسکی نوک و پلک سنوارنا ہرگز روا نہیں ہوسکتا ——— فرمایا:

لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّاْتُوْ بِمِثْلِ هٰذَاالْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا (بنی اسرآئیل 17:88)

''اگر جن و انس کا اجماع ہو کہ وہ مثلِ قرآن بنالاسکتے ہیں تو کچھ بھی نہ بناسکیں گے، خواہ سبھی مل کر ایک دوسرے کی پشت پناہی کیوں نہ کرڈالیں۔''

بات کیا ہوئی کہ اجماع میں یہ سکت ہی نہیں ہے کہ کتاب و سنت کے خلاف منعقد ہو ——— یہی وجہ ہے کہ تفتازانی (1389م)، بحوالہ فخر الاسلام بزدوی (1100م) لکھتے ہیں:

اِنَّ الْاِجْمَاعَ لَا یَنْعَقِدُ اَلْبَتَّۃ بِخِلَافِ الْکِتَابِ وَالسُّنَّۃ

''اجماع کتاب وسنت کے خلاف نہ تو منعقد ہوسکتا ہے

اور نہ اس کے ذریعہ انکی تصریحات کی نفی ہوسکتی ہے ۔

(التلویح علی التوضیح، طبع مصر جلد 34/2)

''جہاں تک مجھے معلوم ہے'' سے اجماع کا استدلال؟

بعض مزاج شناسان رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ تکیہ کلام ہو گیا ہے کہ:

''جہاں تک مجھے معلوم ہے'' ــــ یا ــــ ''اگرچہ ابھی تک مجھے قرآن وحدیث میں ایسا کوئی صریح حکم نہیں ملا، جسے فقہا کے اس متفقہ فیصلہ کی بنیاد قرار دیا جا سکے'' (ترجمان القرآن مارچ 52)

تو کیا ایسے الفاظ سے اجماع کا استنباط ہوسکتا ہے؟

امام شوکانی فرماتے ہیں:

قَوْلُ الْقَائِلِ لَا اَعْلَمُ خِلَافًا بَیْنَ اَھْلِ الْعِلْمِ فِیْ کَذَا قَالَ الصَّیْرَفِیُّ لَا یَکُوْنُ اِجْمَاعًا لِجَوَازِ الْاِخْتِلَافِ وَ کَذَا قَالَ ابْنُ حَزْمٍ فِی الْاَحْکَامِ....

امام صیرفی (942م) اور امام ابن حزم (1064م) کے نزدیک ''جہاں تک مجھے معلوم ہے'' کے الفاظ سے اجماع کا استدلال نہیں ہو سکتا کہ ایسا کہنے والے نے تمام علوم کا احاطہ نہیں کیا ہوا۔ ابن حزم کی کتاب الاحکام میں امام شافعی (820م) اور امام احمد (855م) سے بھی ایسی ہی تصریحات نقل کی گئی ہیں۔ ماوردی (1058م) نے لکھا ہے کہ ایسے الفاظ اگر کوئی مجتہد کہے تو اس میں دو قول ہیں، بعض لوگوں نے اسے حجت مانا ہے اور بعض لوگوں نے اسے مسترد کر دیا ہے، تاہم اگر کوئی مفتی یا مولوی

ایسے الفاظ کہتا ہے تو وہ نا قابل توجہ بک بک ہے۔

(ارشاد الفحول صفحہ نمبر 11/80 تا 17)

محمد بن نصر مروزی (906م) کہتے ہیں کہ:

فَاِنَّا لَا نَعْلَمُ اَحَدًا اَجْمَعَ مِنْهُ لِاَقَاوِیْلِ اَهْلِ الْعِلْمِ وَ لٰكِنْ فَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٍ وَ قَدْ قَالَ الشَّافِعِیُّ فِیْ زَكٰوةِ الْبَقَرِ لَا اَعْلَمُ خِلَافًا فِیْ اَنَّهٗ لَیْسَ فِیْ اَقَلِّ مِنْ ثَلَاثِیْنَ مِنْهَا تَبِیْعٌ وَالْخِلَافُ فِیْ ذٰلِكَ مَشْهُوْرٌ..... ہمیں تو ایسا کوئی بھی صاحب علم نہیں ملا جو دنیا بھر کے علماء کے اقوال کا علم رکھنے والا ہو اور پھر اسکی ضو میں مدعی ہو کہ "جہاں تک مجھے معلوم ہے" کیونکہ علم کی اس نے کوئی انتہا نہیں کی کہ پورے وثوق سے بات کہنے کا مجاز ہو —— ایک دفعہ گائے بھینس کی زکوۃ کے معاملہ میں امام شافعی نے (مجتہد ہونے کے باوجود) کہہ دیا تھا کہ —— جہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی بھی اختلاف نہیں کرتا کہ تیس سے کم گایوں اور بھینسوں کی زکوۃ ایک بچھڑا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں تھا، اختلاف کرنے والے انکے وقت میں بھی موجود تھے، جو کہتے تھے کہ پانچ گایوں (وغیرہ) پر ہی ایک بچھڑا ہے، یعنی وہ ہر بڑے جانور کو اونٹ پر ہی قیاس کرتے تھے۔

(ارشاد الفحول صفحہ نمبر 17/80 تا 19)

اسی طرح امام مالک (795م) نے اپنی موطا میں حلف کو رد کر دینے کے باب میں یہ استدلال کیا تھا کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی بھی شخص، اشخاص میں سے یا کوئی ایک شہر، شہروں میں سے اختلاف نہیں کرتا۔ حالانکہ صحابہ میں

سے سیدنا عثمانؓ (655م) اور ابنِ عباسؓ (687م) اور تابعین میں سے حکم وغیرہ اور ائمہ میں سے ابن ابی لیلیٰ (765م) اور حضرت امام ابوحنیفہؒ اور انکے پیروکار و دیگر اصحابِ علم و فضل کے مخالف فیصلے موجود تھے۔ پس جب امام مالک کی لاعلمی کا یہ حال تھا تو کسی دوسرے کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے؟ (ارشاد الفحول صفحہ نمبر 19/80 تا 22)

یہ اقتباسات واضح کرتے ہیں کہ سید مودودی اور دیگر اصحاب نے اپنی بات کو مستند بنانے کے لئے جو تکیہ کلام بنا رکھا تھا، وہ بوگس اور علمی دنیا میں مفلوج سوچ کا آئینہ دار تھا——

اہل بدعت کا اجماع۔ اہل بدعت سنیوں کی خاص اصطلاح ہے، جس کا ہر اس آدمی پر اطلاق فرماتے ہیں جو "غیر سنی" ہو یا جس سے دل میں پرخاش ہو۔ اس طرح وہ ان خالص و مخلص طالبان قرآن کو بھی اہل بدعت کہتے ہیں، جبکہ ان کے دلوں پر بدعت کا مفہوم تک طاری نہیں ہوا۔ ان کا جرم یہ ہے کہ وہ قرآن کی آیات میں تفکر و تدبر سے کام لیتے ہیں اور فہم و بصیرت کو سہارا بنا کر گوہر تابدار نکال لاتے ہیں، لیکن ان کے فکری پیمانے سے چونکہ روایات اور فقہاء کے شعور شکن بہت سے فیصلوں کی نفی ہو جاتی ہے، لہٰذا وہ طالبان قرآن بلکہ خود قرآن ہی کو میلی نظروں سے دیکھنا شروع کر دیتے اور قرآن اور توحید پر ایمان لانے کے باوصف نہ امت میں شامل سمجھتے ہیں اور نہ اجماع کا اہل جانتے ہیں۔ ان کو تنابزُ بالالقاب کی نفسیات کے مطابق "معتزلہ" کہا جاتا ہے——

اسی طرح یہ لوگ ان صاحبان زہد و تقویٰ اور حاملان علم و عمل کو بھی اجماع کا اہل نہیں

سمجھتے جو نہ اللہ کی ذات سے شرک کرتے اور نہ غیر اللہ کے فیصلوں کو وحی کے مساوی ٹھیراتے ہیں۔ اہل قبلہ ہیں، رسالت محمدیہ کی ''خاتمیت'' پر ایمان رکھتے ہیں مگر مزاج میں چونکہ زیادہ گرمی رکھتے اور نام نہاد بہت سے سنیوں کے کردار کو زیر بحث لاتے ہیں، لہٰذا سنی سیاسی لوگ ان سے الرجک ہیں اور انہیں بھی ''تَنَابَزُ بِالاَ لْقَابِ'' کے مطابق ''خارجی'' کہتے ہیں——

ان ہی کی طرح ایڈز زدہ لوگوں میں ان کا شمار بھی کیا جاتا ہے جو سیاسی اور مذہبی طور پر سنیوں سے اختلاف رکھتے اور خلفائے ثلاثہ کے ایمان کے بارے میں منفی رائے رکھتے ہیں۔ یہ اسلام کا سب سے پہلا سیاسی اور مذہبی گروہ ہے، یہ اپنی انتہاپسندی میں قرآن کی عصمت اور صحابہ کی عظمت کو تسلیم نہیں کرتا—— نام لینے کی ضرورت نہیں ہے، انہیں بھی پروڈا، ایبڈو اور اپنے وقت کے سیفٹی ایکٹ کے شکنجوں میں کس کر اجماع کے لئے نا اہل قرار دیا گیا تھا، جبکہ ان کی علمی سطح سنیوں سے کہیں زیادہ بلند تھی۔ بایں ہمہ تعجب ہے کہ صدر اول سے لے کر پانچویں صدی ہجری تک جتنے محدث اور اہل تفسیر گزرے ہیں ان میں سے اکثر کے اساتذہ یہ شیعہ ہی تھے۔ لہٰذا محدثین اور بعض فقہا اپنے ان اساتذہ کا بھرم رکھنے کے لئے اجماع کی حد تک ان کے لئے دل میں نرم گوشہ رکھتے رہے ہیں—— کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان اساتذہ کے بغیر تاریخ و روایات کا تمام ذخیرہ سگریٹ کے کش کے دھوئیں کی طرح ہوا میں تحلیل ہو کر نابود ہو جائے گا—— آیئے اب سنیوں کے نامزد کردہ اہل بدعت کی بابت ان کی ایک رائے ملاحظہ ہو، شوکانی لکھتے ہیں:

قَالَ الْاُسْتَاذُ اَبُوْ مَنْصُوْرٍ قَالَ اَهْلُ السُّنَّةِ لَا يُعْتَبَرُ فِي الْاِجْمَاعِ

وِفَاقُ الْقَدَرِيَّةِ وَالْخَوَارِجِ وَالرَّافِضَةِ وَهٰكَذَا رَوَاهُ اَشْهَبُ عَنْ مَالِكٍ وَرَوَاهُ الْعَبَّاسُ بْنُ الْوَلِيْدِ عَنِ الْاَوْزَاعِيِّ وَرَوَاهُ اَبُوْ سُلَيْمَانَ الْجَوْزَجَانِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ وَحَكَاهُ اَبُوْ ثَوْرٍ عَنْ اَئِمَّةِ الْحَدِيْثِ۔'' استاد ابومنصور کہتے ہیں کہ اہل سنت کا فیصلہ ہے کہ —— اجماع کے لئے معتزلہ، خارجیوں اور شیعہ کی ہم آہنگی ضروری نہیں ہے کہ یہ اہل اجماع ہوتے ہی نہیں۔ اشہب نے امام مالک سے، عباس بن الولید نے امام اوزاعی سے —— ابوسلیمان جوزجانی، امام محمد بن الحسن (804م) سے اور ابوثور نے تمام آئمہ حدیث سے یہی فتویٰ نقل کیا ہے کہ مذکورہ تینوں مدارس فکر کی اجماع کے ضمن میں کوئی اہمیت اور وقعت نہیں ہے۔ (ارشاد صفحہ 71)

اور وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ یہ لوگ ہمارے بزرگوں کی تکفیر کرتے ہیں۔

ابن قطان کہتے ہیں کہ —— فَاَمَّا مَنْ كَانَ اَهْلُ الْاَهْوَاءِ فَلَا مُدْخَلَ لَهٗ فِيْهِ قَالَ قَالَ اَصْحَابُنَا فِي الْخَوَارِجِ لَا مُدْخَلَ لَهُمْ فِي الْاِجْمَاعِ وَالْاِخْتِلَافِ لِاَنَّهُمْ لَيْسَ لَهُمْ اَصْلٌ يَنْقُلُوْنَ عَنْهُ لِاَنَّهُمْ يُكَفِّرُوْنَ سَلَفَنَا الَّذِيْنَ اَخَذْنَا عَنْهُمْ اَصْلَ الدِّيْنِ ''جو اہل بدعت ہیں اجماع کے معاملے میں ان کی رائے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ ہمارے بزرگ ان خارجیوں کے بارے میں بطور خاص کہتے تھے کہ ان کی کوئی اساس اور بنیاد نہیں ہے، جس کے حوالے سے ہم بات کریں۔ یہ تو وہ لوگ ہیں، جو ہمارے بزرگوں کی تکفیر سے بھی گریز نہیں کرتے، جو کہ ہمارے لئے ''حوالہ'' ہیں۔ اور ہم ان ہی کے ذریعہ

دین کی مبادیات معلوم کرتے ہیں۔" (ارشاد صفحہ 20/71 تا 23)

گویا ان کو اہلِ اجماع میں شامل نہ کرنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ہمارے بزرگوں کا احترام کرتے تھے نہ عزت۔

تبصرہ: لیکن بزرگوں کی عزت و احترام تو شیعہ بھی نہیں کرتے۔ سیدہ عائشہؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عمرؓ، حضرت امیر معاویہؓ، سیدنا ابوبکرؓ، اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ بلکہ دو چار صحابہ کے علاوہ تمام صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ لوگ اسلام سے منحرف کہتے اور ان کے ہاتھوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو مکمل ضابطہ حیات یعنی قرآنِ اقدس دے گئے تھے اسکی بابت بھی اچھی رائے نہیں رکھتے۔ لیکن وہ کیا —— خود سنی بھی اچھی رائے نہیں رکھتے۔ ایسے میں محدثین کا ان کے بارے میں زبان کو بند رکھنا حیرت افزا ہے۔ کیا اسکی بدیہی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے اساتذہ کے بارے میں اگر نرم موٴقف اختیار نہ کریں تو خود ان کا "روایت گری" کا بھرم بھی مشتبہ ہو جائے گا —— پھر بزرگوں کا احترام نہ کرنا ہی اگر کسی اہلِ علم کے اہلِ اجماع کی صف میں داخل ہونے سے مانع ہے تو آنے والے دنوں میں کوئی طالبِ قرآن بھی کہہ سکتا ہے کہ قرآن جو تمام تر "بزرگیوں" کا ماخذ ہے اسکی بابت بھی ان ہی سنی مدارسِ فکر کی رائے منفی اور ہتک آمیز موجود ہے جو دوسروں کی بات کو ٹھکرانے کے لئے "بزرگوں" کی تکفیر کا بہانا بنائے ہوئے ہیں۔

قرآن کی بابت احناف کے مسلمہ پیشوا، امام ابوالحسن عبیداللہ الکرخی (952م) احناف کے موقف کو جامع حیثیت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہر وہ آیت جو اس طریقے کے مخالف ہو جس پر ہمارے
اصحاب ہیں، وہ یا تو ــــ مؤوّل ہے ــــ یا ــــ منسوخ ہے۔''

(تاریخ فقہ اسلامی بترجمہ عبد السلام ندوی، طبع دار المصنفین، اعظم گڈھ، صفحہ 12/421 تا 13)

یعنی کہ قرآن کو فقہاء کے مزاج میں ڈھالنے کے لئے ــــ تاویل کے ذریعہ اسکی واضح آیات کا رخ موڑ دیا جائیگا، پھر بھی کام نہ بنے تو منسوخ یا کالعدم ٹھیرایا جائے گا ــــ

اسی طرح شیخ المحدثین یحییٰ بن ابی کثیر (747م) کا ارشاد ہے:

اَلسُّنَّۃُ قَاضِیَۃٌ عَلَی الْکِتَابِ وَلَیْسَ الْکِتَابُ بِقَاضٍ عَلَی السُّنَّۃِ

''سنت (یعنی حدیث) کو قرآن پر فیصلہ کن فوقیت حاصل ہے،
اس کے برعکس قرآن کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہے۔''

(کتاب الاعتبار امام حازمی (1188م) طبع منیر، دمشق 1346 ہجری قاہرہ صفحہ 17)

اور یہ حوالہ جات واضح کرتے ہیں کہ سنی بحیثیت مجموعی وحی قرآن کو جائز مقام دینے کے لئے کسی بھی دور میں تیار نظر نہیں آئے ــــ اب جہاں صرف گروہی اساس پر ہم نواؤں کو اہل اجماع میں شامل اور مخالفوں کو دائرہ اجماع سے خارج کیا جاتا رہا ہے ــــ وہاں اگر کوئی طالب قرآن یہ کہے کہ ہمارا بزرگ صرف قرآن ہے، جو اسے ثانوی یا صفر درجے پر رکھے گا ہم سنیت کے حامل ان بزرگوں کو اہل اجماع کی صفوں سے خارج کردیں گے تو فرمایا جائے اس ردعمل کا کیا جواب ہوگا؟

اجتہاد اور اجماع میں فرق:

اجتہاد اندر کی روشنی کا نام ہے۔ یہ روشنی جس بھی کلمہ گو کو حاصل ہے وہ بے کھٹکے اہل اجماع کا ممبر بن سکتا ہے۔ کسی کو گروہی بنیادوں پر صف ''اجماعیوں'' سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک علماء کا اس پر بھی اجماع نہیں ہوا کہ ''اہل بدعت'' کے ذریعے اجماع نہیں ہو سکتا۔ گو فتویٰ میں ہم آہنگی دکھلائی گئی ہے، لیکن یہاں فتویٰ کی بات نہیں ہو رہی اور نہ ہی فتویٰ کے لئے اندر کی روشنی ضروری ہے۔ یہاں اجماع کی صلاحیت سے بحث ہو رہی ہے، جس کی بابت بہت سے اہل علم بلکہ ابو بکر صیرفی (942م) کہتے تھے کہ:

وَلَا یُخْرَجُ عَنِ الْاِجْمَاعِ مَنْ کَانَ مِنْ اَھْلِ الْعِلْمِ وَاِنِ اخْتَلَفَتْ بِھِمُ الْاَھْوَاءُ کَمَنْ قَالَ بِالْقَدْرِ وَمَنْ رَأْیَ الْاِرْجَاءِ وَ غَیْرَ ذَالِکَ مِنْ اِخْتِلَافِ آرَاءِ اَھْلِ الْکُوْفَةِ وَالْبَصْرَةِ اِذَا کَانَ مِنْ اَھْلِ الْفِقْهِ

''دائرہ اجماع سے کسی بھی ایسے شخص کو خارج نہیں کیا جا سکتا جو صاحب علم و بصیرت ہے، سوچ اس کی معتزلہ والی ہو خواہ مرجیہ والی اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اسی طرح اہل کوفہ اور بصرہ والوں کے علمی اور فقہی اختلاف کو مد نظر رکھ کر انہیں بھی دائرہ اجماع سے خارج نہیں کیا جا سکتا، اگر یہ سب فقہی بصیرت سے مالا مال ہیں تو۔

(ارشاد الفحول صفحہ نمبر 17/71 تا 19)

اجماع کب حجت ہوسکتا ہے؟

علماء کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ اجماع بذات خود سند ہے یا اسکا کتاب اللہ یا سنت متواترہ سے مستند ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ امام احمد، داؤد ظاہری، ائمہ خوارج اور تمام امامیہ، کسی بھی ایسے اجماع کو شریعت تسلیم نہیں کرتے، جسکا ماخذ کتاب اللہ یا سنت متواترہ نہ ہو۔ محمد بن جریر طبری (923م) نے بھی ایسا اجماع جسکا ماخذ قیاس یا غیر مستند ہو، سے قطعاً انکار کیا ہے۔ نیز ابن حزم (1064م)، ابن فورک (1015م)، عبدالوہاب حرانی (1032م)، سلیم رازی (904م) اور دیگر بہت سے ائمہ نے غیر مستند اجماع کو حجت تسلیم نہیں کیا کیونکہ اہل اجماع کا یہ منصب نہیں کہ حکم دینے کے بالاستقلال مجاز ہوں۔ اگر یہ مان لیا جائے تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک یا ___ ایک سے زیادہ شریعتوں کا ظہور ممکن ہے اور ان کا اتباع واجب!

امام صیرفی وغیرہ نے لکھا ہے کہ اجماع کے لئے مستند ہونا ضروری ہے ___ اَرویانی (1112م) اور ماوردی (1058م) نے اپنے اس خیال کی تائید میں بعض ایسے ائمہ کے اقوال بھی نوٹ کئے ہیں جن سے مترشح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ''الہام'' کے لئے بھی مستند ہونا ضروری ہے۔

تصریحات بالا سے ظاہر ہے کہ ان حضرات کے نزدیک اجماع کی ''فی نفسہٖ'' کوئی حیثیت نہیں کیونکہ انہوں نے صرف اسی اجماع کو تسلیم کیا ہے جسکی سند کتاب اللہ یا سنت متواترہ ہو، اور جو مسئلہ کتاب اللہ اور سنت متواترہ سے ثابت ہوسکے اس کے لئے اجماع کی ضرورت باقی ہی نہیں رہتی۔

اب میں ان مدعیان اجماع سے دریافت کرنا چاہوں گا کہ وہ بتائیں کہ یتیم پوتے کو اسکے دادا کے ترکے سے محروم کرنے پر کس زمانے میں اور کس مقام پر اور کن الفاظ میں اجماع ہوا تھا اور اس اجماع کی سند قرآنِ کریم کی کون سی آیت اور کون سی سنتِ متواترہ تھی؟ کیونکہ اس کے بغیر کوئی اجماع ثابت ہی نہیں ہوسکتا۔ جب کہ یہاں حالت یہ ہے کہ ان لوگوں کو اس کا خود بھی اعتراف ہے کہ مجتہدین کے اس قول کی سند میں کوئی نصِ قرآنی، کوئی صحیح حدیثِ نبوی آج تک ان کو معلوم نہ ہوسکی۔ ان کے پاس لے دے کر صرف زید بن ثابت (665م) کا قول ہے جس کے متن کی ٹیکنکل خامی اسکی سند کی خامی پر گواہ ہے۔ لہٰذا اس کا مطلب خود بھی محل نزاع ہے ـــــ خاص کر ادبیات عرب کی رو سے اس سے پوتے کی محرومی کا مفہوم کشید ہی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ابنِ ثابت کے ایک متنازعہ قول کو اجماع کی سند نہیں بنایا جاسکتا۔

یتیم پوتے کی محرومی کی طرح قتلِ مرتد کے لئے بھی کوئی مستند ماخذ نہیں ہے اور نہ یہ سراغ مل سکا کہ علماء سنت کے مجتہدوں نے کب اور کہاں اور کس آیت کے سہارے مرتد کے قتل پر اجماع کیا ہے، جبکہ مستند (یعنی قرآن) کی 12 آیات آزادیٔ اظہار اور بار بار عقیدہ بدلنے کی چھوٹ پر گواہ ہیں۔ ایسے میں ان کا اجماع کہیں منعقد بھی ثابت کیا جائے تو قرآن کی صریح نصوص کے خلاف ہونے کے باعث منعقد ہو ہی نہیں سکتا۔

اجماع سکوتی۔ اجماع سکوتی کی تعریف یہ ہے:

اَنْ یَقُوْلَ بَعْضُ اَهْلِ الْاِجْتِهَادِ بِقَوْلٍ وَ یَنْتَشِرُ ذَالِکَ فِی الْمُجْتَهِدِیْنَ مِنْ اَهْلِ ذَالِکَ الْعَصْرِ فَیَسْکُتُوْنَ وَلَا یَظْهَرُ مِنْهُمْ اِعْتِرَافٌ وَلَا اِنْکَارٌ

چند مجتہدین کوئی بات کہہ کر اس دور کے تمام مجتہدین میں مشتہر کر دیں اب اگر کسی نے اعتراف یا انکار کی صورت میں کچھ نہیں کہا بلکہ مجتہد ہو کر بھی خاموش رہے تو ایسا اجماع ''سکوتی'' کہلائے گا ــــــ یہ اجماع امام شافعی، داؤد ظاہری (888م) اور اسکے بیٹے قاضی مرتضےٰ ظاہری کے نزدیک حجت نہیں ہے۔ (ارشاد الفحول صفحہ نمبر 9)

منتھی الارب میں لکھا ہے:

......وَلَمْ یُنْکِرْهُ اَحَدٌ وَ کَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ صَبِیًّا فَلَمَّا بَلَغَ خَلَفَ وَقَالَ لَیْسَ فِی الْمَالِ نِصْفَانِ وَ ثُلُثٌ فَقِیْلَ هَلَّا قُلْتَ ذَالِکَ فِیْ عَهْدِ عُمَرَؓ قَالَ کُنْتُ صَبِیًّا وَ کَانَ عُمَرُ رَجُلًا مُهِیْبًا فَهِبْتُ

اجماع سکوتی کے حجت نہ ہونے کا انکار کسی نے بھی نہیں کیا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ سیدنا عمرؓ کے عہد میں مسئلہ ''عول'' کو مشتہر کر کے اس پر اجماع ہو چکا تھا۔ مگر بعد میں جب ابن عباس بڑے ہو گئے تو انہوں نے اس کی مخالفت کی۔ لوگوں نے پوچھا تب آپ کیوں نہیں بولے؟ فرمایا زمانہ عمرؓ میں، میں چھوٹا تھا اور حضرت عمرؓ ایک پر ہیبت شخصیت کے مالک تھے۔

ان کے سامنے بولنے کی جرأت نہیں ہوسکتی تھی۔ (حاشیہ نورالانور صفحہ نمبر 23)

اسکے علاوہ ملا علی قاری (1606م) نے امام سراج الدین سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔ ان کے برعکس کچھ شافعی المذہب علماء کچھ اصولیوں اور استاد ابو اسحاق شاشی (937م) اجماع سکوتی کو بھی حجت مانتے تھے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ خاموشی کبھی رضامندی سے بھی ہوتی ہے۔ لیکن اس دلیل کا ضعیف ہونا محتاج بیان نہیں ہے۔

چنانچہ اصولی امام ابن ابی ہریرہ (956م) اس دلیل کو نہیں مانتے اور کہتے تھے کہ:

اِنَّا نَحْضُرُ مَجْلِسَ بَعْضِ الْحُکَّامِ وَنَرَاھُمْ یَقْضُوْنَ بِخَلافِ مَذْھَبِنَا وَلَا نُنْکِرُ ذَالِکَ عَلَیْھِمْ وَلَا یَکُوْنُ سُکُوْتُنَا رِضًا مِنَّا بِذَالِکَ "بسا اوقات مجلس امراء میں ہم موجود ہوتے ہیں وہ ہمارے سامنے ہمارے ضمیر ونظریے کے خلاف فیصلے دیتے ہیں لیکن ہم انہیں ٹوکنے کی جرأت نہیں کرتے جبکہ ہمارا یہ سکوت ان کے فیصلوں کی پسندیدگی پر مبنی نہیں ہوتا۔

صفی ہندی کہتے ہیں کہ:

اِنَّہٗ اِجْمَاعٌ، لَا حُجَّۃٌ ـــــ یعنی یہ اجماع تو ہے مگر حجت نہیں ہے۔

ابن قطان (970م) ابو طاہر بغدادی (1037م)، ابو علی جبائی (916م)، ابن فورک (1015م)، امام رافعی (1227م)، امام شافعی (820م)، امام احمد (855م) اور دیگر ماہرین فن اور ائمہ اصول ایک صدی گزر جانے سے پہلے اسے حجت نہیں مانتے۔ (ارشاد الفحول صفحہ نمبر 80)

یعنی اجماع سکوتی منعقد ہونے کے بعد پانچ نسلوں تک حجت نہیں ہے۔اس کے بعد یہ اُن کا مسئلہ ہے جو موجود ہونگے کہ وہ اسے حجت مانتے ہیں یا مسترد کر دیتے ہیں۔لیکن اس طرح ہوگا یہ کہ مسئلہ اپنے مَالَهٗ وَمَا عَلَيْهِ کی صورت میں سو سال تک معلق رہے گا۔اتنے طویل عرصے میں اگر کسی جانب سے اعتراض نہ ہوا تو اب مستقبل میں حجت ہوگا، اگر کہیں سے انگشت نمائی ہوئی تو تاہنوز تامل رہیگا۔یعنی چوتھی صدی والے جو اجماع کریں گے وہ اس صدی کے لئے حجت نہیں ہوگا۔پانچویں صدی والے اگر اسے قبول نہ کریں تو وہ بھی قبولیت کی ذمہ داری سے آزاد ہونگے اللہ اللہ خیر صلاّ ۔ لیکن اس تکلف سے بہتر یہ ہوگا کہ اجماع سکوتی کی میعادِ قبولیت سو سال سے کم کر کے صرف پانچ سال کردی جائے۔ان پانچ سالوں میں اگر کوئی مخالفت میں نہ بولا تو پندرہ بیس سال کے لئے اسے حجت سمجھا جائے۔پھر نئی میٹنگ اور نیا مشورہ کر کے اس کی توثیق یا متبادل کی تخلیق کرلی جائے۔

اجماع کی توانائی کتنی ڈگری کی ہو؟

اثبات ونفی کے تمام مراحل سے گزر کر اگر بالفرض کسی مسئلہ پر اجماع ہو بھی جاتا ہے تو شرعاً اسکی حیثیت کیا ہوتی ہے؟ اس کی بابت امام شوکانی تفصیلات دیتے ہیں کہ اسکی دو صورتیں ہیں —— قطعی حجت کہلائے گا —— ظنی دلیل ——؟ اس میں اختلاف ہے۔ شمس الائمہ سرخسی (1090م)، دبوسی ابو زید (1039م)، ابن برہان (1124م)، صیرفی (942م) اور اصفہانی کا فتویٰ ہے کہ —— اجماع قطعی حجت ہے —— چنانچہ ان میں بعض یہاں تک متشدد تھے کہ اسکے منکر کو کافر کہہ دیتے تھے۔

لیکن امام رازی (1210م)، آمدی (980م)، (خود شوکانی)، شیخ الطائفہ ابن عربی (1240م)، امام عبدالجبار الجبائی (916م)، امام الحرمین عبدالملک (1085م)، اکثر شوافع، حجۃ الاسلام امام نووی (1277م)، امام ابن دقیق العید (1302م)، امام احمد، ابن حبان (965م)، محمد بن علی بن حزم (1064م)، داؤد ظاہری (888م)، اسحاق (937م)، ابن ابی داؤد (929م)، ابراہیم النظام (845م)، اور ملا علی قاری (1606م) نے اس کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔ ان کا فتویٰ یہ ہے کہ:

اجماع —— صرف ظنی حجّت ہے، کیونکہ اسکے منکر کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔

امام الحرمین ابوالعالی نے طبقہ فقہاء و مجتہدین کے موقف کو جامع صورت دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

کَیفَ نُکَفِّرُ مَنْ خَالَفَ الْاِجمَاعَ وَ نَحنُ لَا نُکَفِّرُ مَنْ رَدَّ اَصلَ الْاِجمَاعِ وَ اِنَّمَا نُبَدِّعُہٗ وَ نُضَلِّلُہٗ وَالْمُعْتَمَدُ عِنْدَ الشَّافِعِیَّہ عَدَمُ اِطْلَاقِ تَکْفِیرِ الْمُجْمَعِ عَلَیہِ اجماع کے مخالف کی تکفیر تو بعد کی چیز ہے ہم تو سرے سے اصل اجماع کے منکر کی تکفیر بھی نہیں کرتے۔ زیادہ سے زیادہ اسے مبتدع اور راہ علماء سے بھٹکا ہوا کہہ سکتے ہیں۔ شافعیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ ایسا ہی امام حجۃ الاسلام نے المنخول میں لکھا ہے کہ:

اِنَّہٗ قَدْ ثَبَتَ الْخِلَافُ فِی کَوْنِ الْاِجمَاعِ حُجَّۃً وَلَایُکَفِّرُ مُنْکِرُہٗ

"یہ طے شدہ ہے کہ اجماع کی حجّیت میں اختلاف ہے اور کسی بھی اختلافی مسئلہ کے انکار پر تکفیر کا وار کارگر نہیں ہوسکتا۔"

(بحوالہ تہذیب الاخلاق جلد اوّل صفحہ 160)

ملا علی قاری نے ابن العربی سے نقل کیا ہے کہ:

اَنَّ الشَّخْصَ مَادَامَ یتمسّکُ بِالْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ لا یُکَفَّرُ وَاِنْ کَانَ تَاوِیْلُہٗ فَاسِدًا (مرقاۃ الاصول)

"کوئی شخص جب تک کتاب وسنت سے تمسک کر رہا ہے اس کی تکفیر نہیں کی جا سکتی۔ خواہ اسکی تاویل کتنی ہی فاسد کیوں نہ ہو"

ابن دقیق العید (1302م) نے شرح العمدۃ میں لکھا ہے کہ:

اَطْلَقَ بَعْضُھُمْ اَنَّ مُخَالِفَ الْاِجْمَاعِ یُکَفَّرُ وَالْحَقُّ اَنَّ الْمَسَائِلَ الْاِجْمَاعِیَّۃَ تَارَۃً یَصْحَبُھَا التَّوَاتُرُ عَنْ صَاحِبِ الشَّرْعِ کَوُجُوْبِ الْخُمُسِ وَقَدْ لَا یَصْحَبُھَا فَالْاَوَّلُ یُکَفَّرُ جَاحِدُہٗ لِمُخَالَفَۃِ التَّوَاتُرِ لَا لِمُخَالَفَۃِ الْاِجْمَاعِ "بعض لوگوں نے اجماع کے مخالف کو کافر کہہ دیا ہے کہ جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ اجماعی مسائل کے ساتھ ساتھ کبھی تواتر کے ساتھ صاحب شریعت کی کوئی نص بھی ہوتی ہے، جیسے وجوب خمس میں ــــ اس صورت میں منکر کی تکفیر اس لئے کی جائے گی کہ اس نے متواتر کی مخالفت کی ہے اس لئے نہیں کہ اس نے اجماع کی مخالفت کی ہے۔

(شرح العمدہ بحوالہ تہذیب الاخلاق جلد اول صفحہ نمبر 161)

درمختار کے حاشیہ شامی میں لکھا ہے کہ:

اِذَا لَمْ تَکُنِ الْاٰیَۃُ اَوِ الْخَبَرُ الْمُتَوَاتِرُ قَطْعِیَّ الدَّلَالَۃِ اَوْ لَمْ یَکُنِ الْخَبَرُ مُتَوَاتِرًا اَوْ کَانَ قَطْعِیًّا لٰکِنْ فِیْہِ شُبْھَۃٌ اَوْ لَمْ یَکُنِ الْاِجْمَاعُ اِجْمَاعَ الْجَمِیْعِ اَوْ کَانَ وَلَمْ یَکُنْ اِجْمَاعُ الصَّحَابَۃِ اَوْ کَانَ وَلَمْ

يَكُنْ اِجْمَاعُ جَمِيْعِ الصَّحَابَةِ اَوْ كَانَ اِجْمَاعُ جَمِيْعِ الصَّحَابَةِ وَلَمْ يَكُنْ قَطْعِيًا فَاِنْ لَمْ يَثْبُتْ بِطَرِيْقِ التَّوَاتُرِ قَطْعِيًالٰكِنْ اِجْمَاعًا سُكُوْتِيًا فَفِيْ كُلِّ هٰذِهِ الصُّوَرِ لَا يَكُوْنُ الْجُحُوْدُ كُفْرًا

اس شذرہ میں ابن عابدین (1835م) جو فقہائے احناف میں قد آور فقیہ تھے، انہوں نے اجماع کے بارے میں جو تفاصیل دی ہیں کاش علمائے احناف ان کا احساس کرتے اور ''اکثریت'' کے فتاویٰ یا تائیدی دستخطوں کو ''اجماع'' کا نام دیکر اپنی کم فہمی، کم علمی، کم مائیگی اور بد ذوقی کا ثبوت نہ دیتے۔

کیا بعد کے عصر میں...... اجماع سابق...... کی مخالفت کی جاسکتی ہے؟

علماء کے مابین اس میں تقریباً قابل ذکر اختلاف نہیں ہے کہ ایک عصر کا اجماع دراصل اسی عصر کے لئے ہی ہوتا ہے، بعد کے عصر والوں کیلئے اس سے اختلاف کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ شوکانی لکھتے ہیں:

فَذَهَبَ الْجُمْهُوْرُ اِلٰى جَوَازِ ذَالِكَ لِاَنَّ الْاِجْمَاعَ وَالْاِخْتِلَافَ اِنَّمَا هُوَ فِي الْحُكْمِ عَلٰى شَيْءٍ بِكَوْنِهٖ كَذَا وَاَمَّا الْاِسْتِدْلَالُ بِالدَّلِيْلِ اَوِ الْعَمَلِ بِالتَّاْوِيْلِ فَلَيْسَ مِنْ هٰذَا الْبَابِ (ارشاد الفحول صفحہ 13/77 تا 15)

''جمہور اسکے جواز کی طرف گئے ہیں کیونکہ اجماع اور اختلاف یہی تو ہے کہ اس میں کسی چیز پر حکم لگایا جاتا ہے کہ وہ یوں ہے؟ لیکن جب اس کے خلاف

امام ابو اسحٰق نے ابن جریر کے نظریئے کے خلاف یہاں تک کہا ہے کہ:

اِنَّ ابنَ جریرٍ قَدْ شَذَّعنِ الْجماعۃِ فِیْ ھٰذہِ الْمسئلۃِ فَیَنْبغِیْ اَنْ لَا یَعْتَبِرُ خلافَہٗ (ارشاد الفحول)

ابن جریر نے یہ بات کہہ کر جماعتِ علماء سے اختلاف کیا ہے، کیونکہ تمام علماء اجتہادی مسائل میں اختلاف کرنے کی گنجائش تسلیم کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کی مخالفت کر کے ابن جریر نے اپنے کو خود ہی "جماعت" سے الگ کیا ہے۔

وجہ ظاہر ہے کہ اجماع کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اور اس کے انعقاد پر کتنے ہی دلائل سامنے کیوں نہ لائے گئے ہوں مگر اس کے بعد بھی اسکا امکان باقی رہتا ہے کہ اس اجماع کے "معارض" دلیلیں بھی موجود ہوں، جو اہل اجماع کے سامنے نہ آسکی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ امام شوکانی اعتراف فرماتے ہیں کہ:

"تمام ائمہ اصول یہ مانتے ہیں کہ اجماع کرتے وقت جس قدر بھی دلائل سامنے آئے تھے ان کے معارض دلائل کا —— موجود ہونا ممکن ہے کیونکہ یہ اجماع کرنے والے بھی انسان ہی تھے۔ انسانی مساعی میں جو فطرتاً فروگذاشتیں ہوسکتی ہیں ان سے یہ لوگ معصوم نہیں ہوسکتے۔

(خلاصہ ارشاد الفحول)

یہی وجہ ہے کہ تنہا خلفائے راشدین کا اجماع بھی کافی نہیں سمجھا گیا کہ وہ بھی ایک تو امت کا بعض تھے، دوسرا یہ کہ وہ مجتہد بھی تھے اور ہر مجتہد متفرق دلائل و جزئیات پر نظر رکھتا ہے جو کچھ ضروری نہیں کہ سب کے دلائل یکساں اور "مُجْمَع" علیہ ہوں ——

امام شوکانی لکھتے ہیں:

کسی دلیل سے استدلال کیا جائے اور تاویل کے مطابق عمل کیا جائے تو وہ اس باب سے خارج ہے۔

اجماع ''ویٹو'' ہوسکتا ہے۔ تصریحات بالا سے واضح ہوا کہ دلیل و برہان کے ساتھ اجماع سے مخالفت کرنے میں جمہور علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، جبکہ اجماع کے خلاف کوئی دلیل پیش کی جارہی ہو، جس سے اجماع کا ابطال ہو جاتا ہو، اور یہ ثابت ہو جاتا ہو کہ اجماع کرنے والوں نے ایک غلط فیصلے پر اجماع کرلیا تھا تو اس میں ذرا سا بھی مضائقہ نہیں ہے ——— ہمارے علماء نے تو یہاں تک کہا ہے کہ خود اسی عصر میں جس میں اجماع منعقد ہوا ہے، تن تنہا کوئی ایک مجتہد بھی حق استرداد (ویٹو) استعمال کرنے کا مجاز ہے، بلکہ جمہور کا مذہب ہے کہ ایسا اجماع ایک شخص کے اختلاف کر جانے کی بنا پر نہ اجماع رہیگا اور نہ حجت ہوگا ——— یہ جو ابن جریر نے کہا تھا کہ فرد واحد کا اختلاف کوئی معنی نہیں رکھتا ——— وہ ایسا کر کے امت سے خارج ہو جاتا ہے وغیرہ ——— اس پر قاضی محمد بن علی شوکانی نے کہا ہے کہ:

> اِنَّ الشُّذُوْذَ الْمَنْهِیَّ عَنْهُ هُوَ مَا یَشُقُّ عَصَا الْمُسْلِمِیْنَ لَا فِیْ اَحْکَامِ الْاِجْتِهَادِ
>
> جس اختلاف کی ممانعت کی گئی ہے وہ ایسا اختلاف ہے جس سے مسلمانوں کی اجتماعی وحدت پارہ پارہ ہو جاتی ہو ——— لیکن اجتہادی احکام میں اختلاف کرنا اس میں شامل نہیں ہے۔ اس کی ہر مجتہد کو اجازت ہے۔ کسی غیر نبی سے اختلاف کرنا ——— امت سے اخراج کا موجب نہیں بن سکتا۔ ورنہ تو نبوتوں کا ''تعدد'' لازم آئے گا جو قرآن کی رو سے باطل ہے۔ (ارشاد الفحول)

وَذَهَبَ الْجُمْهُوْرُ اَيْضًا اِلٰى اَنَّ اِجْمَاعَ الْخُلَفَاءِ الْاَرْبَعَةِ لَيْسَ بِحُجَّةٍ لِاَنَّهُمْ بَعْضُ الْاُمَّةِ جمہور علماء کا مذہب ہے کہ خلفائے راشدین کا اجماع ہمارے لئے حجت نہیں ہے کیونکہ وہ اُمت کا ''بعض'' ہیں۔

(ارشاد الفحول صفحہ نمبر 29/73 تا 31)

حدیث سے استدلال۔ یہاں ایک حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے کہ صحابہ کرام کا اجماع لازمی حد تک حجت ہے چنانچہ حدیث میں کہا ہے کہ:

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اقْتَدَیْتُمْ اهْتَدَیْتُمْ

''میرے صحابہ روشن ستارے ہیں جس کی بھی اقتداء کرو گے ہدایت پاؤ گے۔''

وجہ استدلال یہ ہے کہ جب تنہا کسی ایک صحابی کی اقتداء اگر موجب ہدایت بن سکتی ہے تو جہاں چار خلفاء کا اجماع ہو تو ان کی ہدایت کیوں موجب ہدایت نہیں بن سکتی؟ اس کے جواب میں امام شوکانی فرماتے ہیں کہ:

''اس حدیث کے بارے میں یہ اعتراض مشہور ہے کہ اسکی سند میں عبدالرحیم ''العمی'' اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ جبکہ باپ بیٹا دونوں ہی نہایت ضعیف درجے کے راوی تھے۔

ابن معین (848م) کہتے ہیں عبدالرحیم کذاب تھے۔

ابو حاتم (869م) اور بخاری (870م) کہتے تھے کہ عبدالرحیم متروک راوی تھے۔ اس طرح اس سند میں حمزہ النصیبی واقع ہے جو نہایت درجے کا ضعیف ہے۔ بخاری نے اسے بھی ''گمنام'' شخصیت کا حامل قرار دیا ہے۔

ابن معین کہتے تھے کہ لَایُسَاوِیْ فَلْسًا اسکی روایت چھوٹی کوڑی کے برابر بھی نہیں ہے۔

ابن عدی (976م) فرماتے تھے ——— عَامَّۃُ مَرْوِیَّاتِہٖ مَوْضُوْعَۃٌ

''اسکی ہر روایت جعلی اور خودساختہ ہے۔''

یعنی اس دوسری سند کے ساتھ بھی یہ روایت جھوٹی اور ناقابل تسلیم ہے۔

اس طرح اس کی ایک اور سند بھی ہے، جسکا ہیرو جمیل بن زید ہے، لیکن محدثوں اور رجال کے تنقید نگاروں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اس نام کا کوئی بھی شخص راوی حدیث نہیں گزرا۔ (ارشاد الفحول صفحہ نمبر 74/1 تا 76)۔

اجماع کی حدود۔ اجماع کی شرعی حیثیت واضح ہو چکی ہے اور جس زاویہ سے آپ جائزہ لیں اسکے دینی ماخذ بننے کے امکانات کہیں نظر نہیں آئیں گے، تاہم اگر عصرِ حاضر کے مفتی حضرات کا بھرم رکھنے کے لئے مان لیا جائے کہ اجماع کی کچھ نہ کچھ فعال حیثیت ضرور ہے تو بھی دیکھنا ہوگا کہ کس حد تک؟ کیونکہ علی الاطلاق کوئی بھی شے نہیں ہوتی کہ اس طرح نہ صرف مولویوں کے روپ میں تازہ خداؤں کے آگے سپر نوائی کرنا پڑے گی، ان کے فاشی ذہن کی ہم نوائی بھی لازم ٹھہرے گی۔ لہٰذا اجماع کی ''فعالیت''، اور غیر محدود ''تاثیر'' کا اعتراف نہیں کیا جا سکتا۔

امام ابن حزم لکھتے ہیں ——— جس کا ملخص یہ ہے کہ ——— اجماع شریعت بن سکتا ہے؟ اس طرح کا دعویٰ کرنا قول فاسد ہے لیکن اگر اسے مان بھی لیا جائے تو پھر بھی مدعیان اجماع کے تمام وہ مسائل باطل ہو کر رہ جاتے ہیں، جن کے لئے اجماع کی سند

نہیں ملتی ـــــــ انہیں چاہیئے کہ نہ تو زکوٰۃ کو ضروری سمجھیں نہ ہی نماز و حج کی فرضیت کے قائل ہوں بلکہ زنا کی برائی کو بھی برا نہ مانیں لا اس صورت میں کہ ان پر اجماع ہو چکا ہو ـــــــ بات خواہ کچھ بھی ہو ہمارے نزدیک ایسا آدمی دین اسلام سے بوجوہ ذیل خارج ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں اجماع ایک نیا مذہب بن جاتا ہے جسکا نہ تو خدا نے حکم دیا ہے اور نہ ہی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بلکہ خدا نے تو:

(i) اللہ، رسولؐ اور اولی الامر کے اتباع کا حکم دیا ہے۔ (اجماع کا نہیں ـــــــ ط)

(ii) اس نے یہ نہیں کہا کہ اختلاف کے وقت وہی ماننا جس پر اجماع ہو چکا ہو ـــــــ ایسا ماننے والا ہمارے نزدیک جھوٹا اور مفتری ہے۔

خدا تو کہتا ہے ـــــــ اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِنْ رَّبِّکُمْ (جو کچھ قرآن میں ہے اس کی اتباع کرو ـــــــ (الاعـــراف 3:7) پھر فرمایا ـــــــ اگر کسی بات میں جھگڑا ہو جائے تو خدا اور رسول سے رجوع کرو۔ (الـــنســاء 59:4)۔ اس لئے ہم تو خدا اور رسول کی مانیں گے خواہ اجماع ہو ہو یا نہ ہو ہو۔ (المحلّٰی۔ طبع مصر جلد اول کتاب الاشربہ)

ابن حزم کے اس تبصرے سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک:

(i) اجماع کی تشریعی حیثیت کو تسلیم کرنا دین اسلام میں اضافہ کرنے کے برابر ـــــــ یا پھر ''خاتمیت'' رسول صلی اللہ علیہ سلم کی نفی کر دینے کے مترادف ہے۔ اور

(ii) اس کو مستلزم ہے کہ مسائل منصوصہ پر بھی اس وقت تک عمل نہ کیا جائے، جب تک ان پر اجماع نہ ہو چکا ہو۔ حالانکہ اس صورت میں فروع کو اصول پر مقدم رکھنا پڑے گا، جو بجائے خود غلط ہے!

تصریحات بالا سے آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ ''اجماع'' یا ''متفقہ فیصلہ'' کی خود

علماء کی میزان میں کیا حیثیت ہے؟ جسے لے کر یہ لوگ طالبان قرآن پر طنز و تشنیع کے تیر برسائے جاتے ہیں، ان کے اپنے مبلغ علم کے حدود اربعہ یہ ہیں کہ یہ سب مل کر جسٹس منیر کے اس سوال کا جواب نہ دے سکے کہ ——"مسلم کی ٹیکنکل تعریف کیا ہے؟"——

اب جو لوگ اپنی ''شناخت'' تک کو نہیں جانتے، وہ جہانِ دُنیا کو اسلام اور قرآن سے کیا متعارف کرائیں گے؟ یہ تو قرآن کا اپنا اعجاز ہے کہ یورپ والے آج بھی اپنا دھیان ادھر کو مبذول کیے ہوئے ہیں۔ اس میں ہمارے علماء کا کمال ہے نہ صلاحیت۔ ان سے تو آج بھی دریافت کیجئے کہ —— مسلم کی "اجماعی" تعریف کیا ہے تو مالدیپ سے لیکر چیچنیا —— مراکش سے لیکر انڈونیشیا —— نائیجریا اور کراچی سے لیکر سنکیانگ اور منگولیا تک کوئی ایک عالم —— اور صاحب جُبہ و دستار ایسا نہ ہوگا، جو اس کا متفقہ، جامع اور مثبت جواب دے سکتا ہو۔ ایسے میں ان کے حوالہ سے جو اجماع وجود میں آئے گا یا متعارف ہوگا اس کی صداقت کا بخوبی احساس کیا جا سکتا ہے۔ یہ تو وہ علماء ہیں، جو بن پڑھے دستخط کرنے کے عادی ہیں۔ ''المجیب مصیب'' ان کے سکہ بند فقرے ہیں۔ یعنی مفتی نے جو کچھ لکھا وہ برمحل اور صواب ہے۔ اس طرح کسی فتوے پر سو پچاس مولویوں کے دستخطوں کو یہ لوگ اجماع امت سے موسوم کرکے اپنی جہالت اور نادانی پر خود ہی شاہد عادل بن جاتے ہیں۔ ان لوگوں کو نہ اجماع کا پتہ ہے نہ اجماع کے اصولوں، قواعد و ضوابط کا علم —— بلکہ علم ان سے شرمندہ ہے، خود جہالت بھی منہ چھپائے پھرتی ہے۔

اجماع امت ــــ براستہ سوادِ اعظم۔

ان حضرات کی پیش کردہ ایک سند یہ بھی ہوتی ہے کہ (بقول ان کے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ــــ میری اُمت کا سوادِ اعظم کبھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہوسکتا۔ اس لئے تم اس کا اتباع کرو ــــ اس سے یہ دلیل لاتے ہیں کہ اُمت کی اکثریت کا جو مسلک ہو وہی سچا دین ہے۔

اس روایت پر ہم فنی بحث نہیں کرتے کہ یہ ایک بے بنیاد روایت ہے، تاہم اگر اسکا مفہوم یہی لیا جائے کہ اکثریت کا مسلک ہی سچا دین ہے، تو اس مفہوم کو بھی ہر فرقہ اپنے ہی حق میں استعمال کرتا آیا ہے۔ مثلاً حنفی کہہ رہے ہیں کہ دنیا میں اکثریت ہماری ہے، لہٰذا ہم ہی اجماع اُمت کے لئے مطلوبہ اجتماعیت فراہم کرسکتے ہیں ــــ اسی طرح ان کے مخالفین اسکا مفہوم ''اکثریت'' نہیں لیتے، وہ کہتے ہیں کہ ــــ اکثریت پر دین کی بنیاد نہیں رکھی گئی۔ قرآن کریم اکثریت کے پیچھے چل پڑنے کو معیار صداقت نہیں ٹھہراتا۔ اسی بنا پر سواد اعظم کا مفہوم ہوگا ــــ جو حق پرستوں کی راہ چلے گا وہ گمراہ نہ ہوگا ــــ اور حق پرستی نہ اکثریت سے مربوط ہے نہ قلت تعداد سے۔ اسی طرح سواد اعظم متعدد مفاہیم کا متحمل ہو جاتا ہے۔ جبکہ ''احتمالی'' مفاہیم تلاش حقیقت میں کارآمد نہیں ہوسکتے۔ خاص کر جب ہر گروہ کا دعویٰ ہو کہ وہ حق پرست ہے، جبکہ گروہی اساس پر کسی دلیل کو اپنی حقانیت کی دلیل گرداننے سے امت کا مفہوم محدود ہو کر اپنا وسیع تر اطلاق کھو بیٹھتا ہے کیونکہ امت کے اجتماع میں پوری امت شامل ہے۔ لہٰذا ــــ اہل بصیرت کے نزدیک یہ روایت مطلوبہ معیار پر پوری نہیں اترتی، نہ سند کے لحاظ سے نہ متن

کے زاویہ سے۔ امام الہند ابو الکلام آزاد فرماتے ہیں:

"اگر حکم التزام جماعت کا مطلب یہی قرار دیا جائے کہ تمام عقائد اور اعمال و کردار میں مسلمانوں کو چاہیئے کہ سواد اعظم کی پیروی کریں ورنہ ــــ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ کے مستوجب ہونگے تو ظاہر ہے کہ حق و باطل، سنت و بدعت اسلام و کفر کے تمام احکام وقواعد کا خاتمہ ہو جائے گا۔ کیا ایک لمحہ کے لئے کوئی ذی عقل اس کا یہ مطلب قرار دے سکتا ہے؟

پھر کیا حکم ہو گا ان سینکڑوں مبلغین اور دعاۃ حق کا جنہوں نے ان تیرہ (یعنی چودہ ــــ ط) سو برسوں کے اندر باوجود کثرت شُیُوعِ فِتَنْ ــــ و استیلاءِ بِدَعْ وَ مُحْدَثَات ــــ وَغَلَبَۂ بطلان و فساد ــــ وَ غُربتِ اصحاب حق ــــ و قلتِ مخلصین و صادقین ــــ سوادِ اعظم کی گمراہیوں کا ساتھ نہیں دیا اور راہ حق پر قائم رہے؟ کیا یہ سب حکم التزام جماعت سے باہر ہو گئے اور ان سب کی موت جاہلیت کی موت ہوئی؟؟

پھر اگر التزام جماعت اور اتباع سواد اعظم کا یہی مطلب ہے تو ان تمام اختلافات کا کیا حکم ہو گا؟ جس میں تنہا ایک فرد کی رائے ایک طرف اور جماعت کی رائے دوسری طرف تھی؟ اور حق و ثواب فرد کے ساتھ تھا، نہ کہ جماعت کے ساتھ؟ خود عہد صحابہ کے بے شمار واقعات اس کی شہادت دیتے ہیں ــــ جب مانعین زکوٰۃ کا سوال اُٹھا تو تمام مجمع صحابہ ــــ کی رائے ایک طرف تھی اور حضرت ابو بکرؓ کی ایک طرف ــــ یعنی سواد اعظم قتال کا مخالف تھا ــــ حضرت ابو بکرؓ مجبور تھے ــــ پھر

بلکہ قَوْمٌ صَالِحُوْنَ قَلِیْلٌ فِیْ نَاسِ سَوْءٍ کَثِیْرٍ کے ساتھ ہوگا۔

اسی طرح مسلم کی مشہور حدیث لاتزالُ طَائِفَۃٌ مِّنْ اُمَّتِیْ ظَاھِرِیْنَ عَلَی الْحَقِّ لَا یَضُرُّھُمْ مَنْ خَالَفَھُمْ......الخ ، میں اصحاب حق وصواب کو "طائفۃ" سے تعبیر فرمایا——یعنی سواد اعظم کے مقابلہ میں ایک چھوٹی سی ٹکری——اور

اسی طرح شیخینؒ کی مشہور حدیث میں خبر دی کہ:

''جب مسلمانوں کا کوئی امام نہ رہیگا اور لوگ طرح طرح کی ٹولیوں میں بٹ جائیں گے تو——فَاعْتَزِلْ تِلْکَ الْفِرَقَ کُلَّھَا وَلَوْ اَنْ تَعَضَّ اَصْلَ شَجَرَۃٍ——اگر درخت کے پتے چبا کر جینا پڑے جب بھی ان ٹولیوں کا ساتھ نہ دو، ان سب سے الگ ہو جاؤ۔''——

اب بتایئے سوادِ اعظم یہاں کہاں رہا؟

(امام الہند بحوالہ ''صدق جدید'' مطابق 9۔اپریل 1854ء طبع لکھنؤ)

امام الہند کے تناظر میں ''اجماع'' بواسطہ ''سوادِ اعظم'' نہ کبھی منعقد ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ہے اور نہ کبھی ہوگا۔لہٰذا اسکی دہائی دے کر نہ تو یتیم پوتے کو محروم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی عقیدہ اور نظریہ تبدیل کرنے والے کو سزائے موت دی جا سکتی ہے،اور نہ حاملین اجماع کو زیب دیتا ہے کہ اسکی دہائی دیکر سر سیّد (1898ء) علیہ الرحمۃ اور آپ کے رفقائے محترم کے خلاف کسی طرح کی محاذ آرائی جاری رکھیں۔اخلاقی حدود وقیود کو ملحوظ رکھنا خاصہ انسانیت ہے۔

(تمت)

اشاریہ

انتساب۔	03
معذرت۔	03
رحمت اللہ طارق (فوٹو)	04
اسلام میں عقل وشعور کی بنیادی اہمیت۔	05
عقل ترقی پذیر ہے اور وحی ترقی یافتہ۔	05
اجماع نہ دین ہے اور نہ اس میں دین بننے کی صلاحیت ہے۔	06
سابقہ اجماع کو قبول کریں، چاہیں تو نیا اجماع منعقد کرلیں۔	06
تکمیل دین اور اجماع اُمت۔	07
اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ..... (المائدہ5:3)	07
اجتہاد --زندہ قوموں کا ہتھیار ہے۔	07
اجماع کی حجیت پر قرآنی دلائل۔	08
شعور اور ''وحی قرآن''۔	08
پہلی دلیل۔	08
لیکن یہ استدلال ہی مفلوج ہے۔	08
دوسری دلیل۔	09
تبصرہ: آیت کا لہجہ —— محض خبریہ ہے۔	09
اجماع کی حیثیت صفر کے برابر ہو جاتی ہے۔	10
تمام امت ہی مراد ہے خاص کر مجتہدین نہیں۔	10

معاذ بن جبلؓ ---ثُمّ اجتَہِدُ بِرَاْیِ۔ 10
علماء عام لہجے سے ''اجماع'' کا خصوصی استنباط کر لیتے ہیں۔ 11
تیسری دلیل۔ 12
تبصرہ: 12
ہمیں تو اپنے دور کیلئے، اور اسی دنیا میں راہنمائی چاہیے۔ 13
یہ حق صرف اور صرف شارع علیہ السلام کا ہے۔ 14
اندھوں کے ہاتھ میں اگر اجماع کی ''چھڑی'' تھما دی جائے؟ 15
یہ لوگ اجماع کی ابجد تک سے نا آشنا ہیں۔ 15
کیا اجماع میں دین بننے کی صلاحیت ہے ؟ 16
کیا اجماع کیلئے مستند ہونا ضروری ہے ؟ 17
اجماع میں صحابہؓ کا رول۔ 18
امام ابوحنیفہؒ کا فرمان۔ 18
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن کارانہ عمل۔ 19
حکمرانی کا حق صرف قریش کو پہنچتا ہے؟؟؟ 20
.......اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصَّالِحُوْنَ۔ 20
موروثیت کے بارے میں علیؓ اور معاویہؓ یک خیال و یک رائے تھے۔ 21
اجماع امت کی شرعی حیثیت۔ 21
جن و انس مل کر بھی مثل قرآن ہرگز نہ بنا سکیں گے۔ 22
اجماع کتاب و سنت کے خلاف منعقد نہیں ہو سکتا۔ 22

''جہاں تک مجھے معلوم ہے'' سے اجماع کا استدلال؟ 23

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ۔ 24

اہل بدعت کا اجماع۔ 25

محدثین اور فقہاء کی اجماع پسندی، محض اپنے اساتذہ کے بھرم کیلئے۔ 26

اور وجہ یہ کہ یہ لوگ ہمارے بزرگوں کی تکفیر کرتے ہیں۔ 27

تبصرہ: 28

قرآن، جو تمام تر ''بزرگیوں'' کا ماخذ ہے۔ 28

اَلسُّنَّۃُ قَاضِیَۃٌ عَلَی الْکِتَابِ۔ (اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ) 29

اجتہاد اور اجماع میں فرق۔ 30

اجماع کب حجت ہو سکتا ہے؟ 31

مدعیان اجماع اور یتیم پوتے کی محرومی اور قتل مرتد۔ 32

یہ اجماع تو ہے مگر حجت نہیں ہے۔ 34

اجماع کی تو انائی کتنی ڈگری کی ہو؟ 35

اجماع ـــــــ ظنی حجت ہے، اسکے منکر کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔ 36

اجماع کی حجیت میں اختلاف ہے۔ 36

کتاب و سنت سے تمسک کرنے والوں کی تکفیر نہیں کی جا سکتی۔ 37

بعد کے عصر میں...... اجماع سابق...... کی مخالفت کی جا سکتی ہے؟ 38

اجماع ''ویٹو'' ہو سکتا ہے۔ 39

معارض دلائل کا ـــــــ موجود ہونا ممکن رہتا ہے۔ 40

حدیث سے استدلال۔ 41

اجماع کی حدود۔ 42

اللہ، رسولؐ اور اولی الامر کے اتباع کا حکم ہے، اجماع کا نہیں۔ 43

اجماع کی تشریعی حیثیت تسلیم کرنا دین اسلام میں اضافہ کے برابر۔ 43

اجماع کی تشریعی حیثیت تسلیم کرنا ختم نبوت کی نفی کے مترادف ہے۔ 43

اب جو لوگ اپنی "شناخت" تک کو نہیں جانتے۔ 44

وہ جہانِ دُنیا کو اسلام اور قرآن سے کیا متعارف کرائیں گے؟ 44

علم ان سے شرمندہ اور جہالت منہ چھپائے پھرتی ہے۔ 44

اجماع امت ـــــ براستہ سوادِ اعظم۔ 45

تمام مجمع صحابہؓ کی رائے ایک طرف تھی اور حضرت ابوبکرؓ کی ایک طرف۔ 46

بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِيبًا كَمَا بَدَیٰ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ۔ 47

امام الہند کے مطابق "اجماع" بواسطہ "سوادِ اعظم منعقد نہیں ہوتا۔ 48

==

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!

اس کتاب کے مطالعہ کے لیے وقت نکالنے پر ہم آپ کے تہہ دل سے مشکور ہیں۔ ہمیں آپ کے تاثرات اور تجاویز کا انتظار رہے گا۔ رب العزت کے حضور آپ کی صحت، سلامتی اور خوشگوار زندگی کے لئے دعا گو۔ انتظامیہ

سرسید میموریل لائبریری۔ کالج اسٹاپ، جی ٹی روڈ، باغبان پورہ، لاہور 54920 پاکستان۔

sirsyedmemlib@hotmail.com Phone:+9203004280241

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

درج ذیل کتب (E-Books)

Djvu Files کی صورت میں دستیاب ہیں

معجم الادوات والضمائر فی القرآن الکریم

(تکملۃ المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم)

☆ڈاکٹر اسمٰعیل احمد عمایرہ ☆ ڈاکٹر عبدالحمید مصطفیٰ السید

================

مشمولاتِ قرآنِ عظیم

☆میجر جنرل محمد نواز ملک

======================

المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم

☆ محمد فؤاد عبدالباقی

================

قرآن سمجھنے کے لیے معاون مزید E-Books کے لیے رابطہ فرمائیں۔ شکریہ۔

☆درج ذیل کتب کم قیمت پر دستیاب ہیں☆

☆ قرآن کا معاشی نظریہ (رحمت اللہ طارق)

☆ قربانی کی شرعی حیثیت (رحمت اللہ طارق)

☆ قتل مرتد کی شرعی حیثیت (رحمت اللہ طارق)

☆ زمینداری جاگیرداری اور اسلام (رحمت اللہ طارق)

☆ لباس اور چہرہ کیسا ہونا چاہئے؟ (رحمت اللہ طارق)

☆ تفسیر منسوخ القرآن (رحمت اللہ طارق)

☆ تفسیر برہان القرآن (رحمت اللہ طارق)

☆ تفسیر میزان القرآن (رحمت اللہ طارق)

☆ دانشوران قرآن (رحمت اللہ طارق)

☆ ہمارے دینی علوم ☆ علامہ حافظ محمد اسلم جیراجپوری

☆ عیسیٰؑ ابن مریمؑ ☆محمد عصمت ابو سلیم

☆ شہادت الفرقان علیٰ جمع القرآن ☆ شیخ عطاء اللہ

قیمت اور ڈاک خرچ کے لئے رابطہ برائے خط، SMS, E-Mail، فون

sirsyedmemlib@hotmail.com

سرسید میموریل لائبریری۔ کالج شاپ، جی ٹی روڈ، باغبانپورہ، لاہور، پاکستان۔

فون: 03004280241, 04238464037, 03004283769, 0426824077